ماھنامہ

المُرشِد

مارچ 2011ء

ربیع الاول/ربیع الثانی 1432ھ

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ فَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَاِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْهُ

''حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بندہ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسے وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ کسی جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت (فرشتوں) میں اسے یاد کرتا ہوں''۔

اللہ
رسول
محمد

کیفیت کا اجراء جو ہے، کیفیت کی تقسیم جو ہے، وہ خزانہ جس سے یہ سمندر بہتا ہے، جس سے یہ چشمہ پھوٹتا ہے، جس سے دریا نکلتا ہے، وہ ہے قلبِ اطہرِ رسول ﷺ۔

(شیخ المکرّم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی)

تصوف

رسومات سلاسل

سلاسل تصوف کا اصل کام یہی ہے جہاں سے کامل اٹھتے ہیں وہاں ان کے بعد کمزور قابض ہو جاتے ہیں لوگوں کو رسومات میں الجھا دیتے ہیں اور اللہ کا راستہ دکھانے کی بجائے اپنی شخصیت کے طلسم میں گرفتار کرنے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمت عطا فرمائی ہے وہ بہت قیمتی بھی ہے اور نایاب بھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں فرماتے ہیں کہ نسبت اویسیہ عجیب شے ہے، اس کے حامل کبھی دنیا میں ناپید ہو جاتے ہیں کہ اس طرح سے کہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا میں سرے سے اس سلسلہ کا کوئی ولی رہا ہی نہیں لیکن یکا یک چشمے کی طرح یہ نسبت پھوٹتی ہے اور صحرا اور دریا کو ایک کر دیتی ہے سب کو اس چشمہ صافی پر پہنچا دیتی ہے۔ اس وقت یہ سلسلہ زمین کی تہوں سے نکل کر کائنات کے ذرے ذرے کو سیراب کرنے کے لئے آیا ہے۔ منبع پر پہنچنے والے خوش نصیب ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ نعمت ہم تک پہنچائی گئی ہے ہمارا فرض ہے کہ اسے انتہائی حفاظت سے رکھیں، اصلی صورت میں آنے والی نسلوں تک پہنچائیں۔ خدا نہ کرے کہ اتنی بڑی نعمت کے ہوتے ہوئے سستی قسم کی شہرت میں پڑ جائیں۔ کہیں اس طرح ہم اپنی طرف سے آنے والی انسانیت کو محروم کرنے کا سبب نہ بن جائیں۔ جتنی بڑی دولت یہ ہے اتنی ہی بڑی جواب طلبی بھی ہوگی۔

بانی حضرت العلامہ مولانا اللہ یار خان مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
سرپرست حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ المرشد

مارچ 2011ء ربیع الاول/ربیع الثانی
جلد نمبر 32 شمارہ نمبر 7
مدیر: محمد اجمل
سرکولیشن منیجر: رانا جاوید احمد
قیمت فی شمارہ 25 روپے
PS/CPL#15

فہرست

اداریہ	ابوالاحمدین	3
کلامِ شیخ	سیماب اویسی	4
اقوالِ شیخ	انتخاب	5
ذکر الٰہی منفی اور مثبت انداز میں	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	7
اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر حافظ عبدالرزاق	14
مسائل السلوک من کلام	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	18
اس دورِ پُرفتن میں سلوک و معرفت	فیض الرحمن	30
صرف میلاد پر جلسے ہوتے ہیں	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	36
من الظلمات الی النور	ظہیر الدین۔ انڈیا	41
علماء فورم کے سوالات و جوابات	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	44
THE BASIS OF TASAWWUF IS TRUST		53
A Life Eternal (Translation)		56

www.owaisiah.com/www.naqashbandiahowaisiah.com

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس 0423-6314365 ناشر۔ عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔
Ph:042-35182727, Fax: 042-35180381, email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔
Ph: 0543-562200, Fax: 0543-562255, email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

توبہ اور اس کی حقیقت

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ النساء چونکہ توبہ کا ذکر آگیا تو اللہ کریم نے توبہ کی صورت ارشاد فرما دی کہ اگر کوئی نادانی سے برائی کر بیٹھے اور پھر اس حرکت پر شرمندہ ہو اور فوراً توبہ کرے تو اللہ کریم ایسے لوگوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ یہاں برائی کا تعلق جہالت سے ارشاد ہوا۔ یہ تو مراد یہ نہ ہوگا کہ گناہ سے واقف نہ تھا اور نہ عمداً ایسا نہ کرتا بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ فعل جو اللہ کریم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہو وہ جہالت ہے خواہ کتنے بڑے دانشور سے صادر ہو حضرت قتادہؓ کی روایت ہے اَجْمَعَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰٓى اَنَّ كُلَّ مَعْصِيَةٍ جِهَالَةٌ عَمَدًا كَانَ اَوْلَمْ يَكُنْ وَكُلُّ مَنْ عَصَى اللّٰهَ فَهُوَ جَاهِلٌ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر گناہ جہالت ہے خواہ ارادے سے کیا جائے یا غیر ارادی طور پر صادر ہو اور ہر وہ شخص جو اللہ کی نافرمانی کرے جاہل ہے پھر جلدی سے توبہ کرے اب اس جلدی کی حد کیا ہوگی تو اس سے اگلی آیہ کریمہ بتا رہی ہے کہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو عمر بھر برائی پر ہی کاربند رہیں اور جب موت آجائے یعنی فرشتہ وغیرہ یا آخرت نظر آنے لگے تو اس وقت توبہ کا خیال آئے اور نہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جن کی موت کفر پر واقع ہو یعنی عمر بھر کفر ہی پہ کاربند رہیں جیسے فرعون کہ وقتِ غرق پکارا کہ موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں تو ارشاد ہوا کہ اب ایمان لائے جب وقت گزر چکا اب کیا فائدہ تو اس سے مراد نزع روح یا جسے غرغرہ وغیرہ کہا جاتا ہے اس کے شروع ہونے سے پہلے کی توبہ شرف قبولیت کو پالے گی بشرطیکہ خلوصِ دل سے ہو۔

جذبہ عشق و محبت عمل کا متقاضی ہے

ماہِ ربیع الاول اپنی جلوہ آفرینیوں کے ساتھ رخصت ہونے کو ہے۔ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں طرح طرح سے گلہائے عقیدت پیش کیے گئے۔ سیرت کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ مجالس درود وسلام میں جذباتِ محبت و وارفتگی کا خوب اظہار ہوا اور بہت کچھ وہ بھی ہوا جو اغیار کے تہواروں میں تو نظر آتا ہے لیکن شریعت مطہرہ کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ اگر کچھ نہیں ہوا تو وہ بعثت رحمت عالم ﷺ کے تقاضوں کو اجاگر کرنا تھا جو عالم انسانیت کی قیادت کے لئے امت مرحومہ پر عائد ہوتے ہیں۔ رزم گاہِ حق و باطل میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہیے اور ہم باعمل مسلمان کس طرح بن سکتے ہیں جسے دیکھنے والا بے اختیار کہہ اٹھے' یہ رسول اللہ ﷺ کا امتی ہے۔ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جن تبدیلیوں کی ضرورت ہے' اس کا ادراک ہے نہ اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ہماری بے عملی اب کمزوری کی علامت بن چکی ہے جسے دیکھتے ہوئے بے خطر ہماری خودمختاری اور سلامتی کو تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔ دشمنان دین اس قدر نڈر ہو چکے ہیں کہ وقفہ وقفہ سے ہماری دینی حمیت کو للکارا جاتا ہے یہاں تک کہ ناموسِ رسالت ﷺ تک بات جا پہنچتی ہے۔

ماضی قریب میں جو کچھ ہوا اس کے پیچھے اغیار کی دریدہ دہنی اپنی جگہ لیکن یہ جسارت بحیثیت امہ ہماری عملی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے ممکن ہوئی کہ شاید ان کی دینی حمیت کا بھی جنازہ نکل چکا ہے۔ ذرائع ابلاغ میں نام نہاد دانشوروں کی ایک کھیپ نمودار ہوئی جس نے بغیر کسی روک ٹوک تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قوانین کو تختۂ مشق بنا لیا۔ مغربی حکمرانوں اور مذہبی رہنماؤں کے بیانات شروع ہو گئے کہ ان قوانین کو ان کی مرضی کی مطابق ہمیں کس طرح بدلنا ہوگا۔ اندرون ملک کس کس سطح پر ان کی تائید کا مظاہرہ ہوا' یہ سب قوم کے سامنے ہے لیکن مقام تشکر ہے کہ ناموس رسالت ﷺ کے خلاف یہ سازش ناکام ہوئی۔ خیبر تا کراچی جس طرح عوامی ردعمل کا اظہار ہوا' اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ان جذبوں کو سلامت رکھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کا ذکر چاردانگ عالم میں بلند فرما دیا **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**○ (الم نشرح۔4) تو دنیائے کفر لاکھ کوشش کرے' شمع رسالت ﷺ کی تابناکی کم نہیں ہو سکتی۔ جو دھول اڑائے گا' اس کا اپنا سر خاک آلود ہوگا۔ یہ اعلانِ خداوندی ہے لیکن مقام فکر یہ ہے کہ امت مرحومہ کی بے عملی اور کمزوری اغیار کے لئے ایسی جسارتوں کا سبب بنتی ہے۔ ان کا جرم تو اپنی جگہ لیکن بے عمل مسلمان ہونے کی حیثیت سے موردِ الزام ہم بھی ہیں۔ آقائے نامدار ﷺ سے محبت کا جذبہ عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ بعثت رحمت عالم ﷺ کے پیغام کو اپنا کر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں وہ انقلاب لائیں جو سرزمین عرب میں برپا ہوا اور ایک دنیا پر چھا گیا۔ کرۂ ارض پر آج پھر اسی انقلاب کے آثار ہویدا ہیں لیکن وہ قوم جس نے قیادت کا منصب سنبھالنا ہے' عملاً اس کے لئے تیار نہیں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ابو الاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر	نشانِ منزل
کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر
متاعِ فقیر	آس جزیرہ
دیدۂ تر	

آپ کی شاعری کیا ہے؟

اس بارے میں ڈاکٹر اجمل نیازی لکھتے ہیں۔

میں ان کی شاعری کے لیے تنقیدی بات کیا کہوں مجھے وہ صرف شاعر کی حیثیت میں دکھائی نہیں دیتے۔ یہ تو ذوق وشوق اور جوش و خروش کی بے نیازی ہے جو نت نئے اظہار کے لیے کوئی نہ کوئی قرینہ اختیار کرتی رہتی ہے۔ طوفانوں سے آشنائی رکھتے ہوئی دریا میں موجیں بے قابو بھی ہوتی ہیں۔ اکرم صاحب نے علمی وادبی، تخلیقی و تہذیبی، دینی و دنیاوی حوالے سے کسی لہر کو بے مہار نہیں ہونے دیا۔ شاعری آسانی سے اور پوری طرح مغلوب نہیں ہوتی۔ اکرم صاحب کی شاعری سیل وفا کی یلغار نہیں۔ بپھرتے ہوئے پانیوں کو کناروں میں رکھنا کسی بے کنار جذبوں والے آدمی کا کام ہے۔ شاعری میں ضابطے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ پیغمبروں کا شعار نہیں رہا اور شاعری کو شیوۂ پیغمبری بھی کہا گیا ہے۔ اس کے آگے کچھ کہنے کے لیے جس احتیاط کی ضرورت ہے مجھ سے اس کا پورا اہتمام نہیں ہو سکے گا۔ بات کہنے کے لئے احتیاط چاہیے تو سننے کے لیے بھی اتنی ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

شاعری جزویست از پیغمبری

اکرم صاحب سے بڑھ کر پیغمبروں والا کام کون کر رہا ہے۔ کاش ہمارا زمانہ انہیں سچی طرح پہچان لے تو زندگی کچھ اور زندگی بن جائے۔

غزل

یہ کس کے عارضِ گلگوں کا ہے داغ اپنے دامن پر
ابھی تو سو کے اٹھے ہیں یہ کون آیا تھا خوابوں میں

ملے جو خواب میں نعمت ہو بیداری میں وہ برپا
نہیں پہلے کبھی دیکھا، پڑھا تھا ہاں کتابوں میں

نہ ہوں جو عشق کے بیمار وہ منزل نہیں پاتے
گزر جاتی ہے ان کی زندگی ساری سرابوں میں

محبت راکھ کردیتی ہے پر راحت بھی دیتی ہے
نہیں جلتے کبھی یہ لوگ دنیا کے عذابوں میں

نہیں یہ فیصلہ میرا کبھی آؤ بہاروں میں
تمہیں لکھا دکھا دوں گا میں آوارہ سحابوں میں

محبت میں جلا کرتے ہیں جل کر گر نہیں جاتے
نہیں رہتی تپش کوئی کبھی باقی شہابوں میں

تری زلفوں سے جو خوشبو چرالاتے ہیں یہ جھونکے
جہاں بھر میں نہ پائی ایسی رنگینی گلابوں میں

جلاتی دل کو ہے تو آنکھ کو نمناک کرتی ہے
یہ کیسی لے چرا لیتے ہو تم اپنے خطابوں میں

عجب ہے شانِ استغنا عطا کرنے میں، لینے میں
نہیں دیکھی کبھی یہ شان شاہوں میں نوابوں میں

انوکھا کیف ہے تیری حسین محفل کا افسوں میں
یہ مستی آ نہیں سکتی جہاں بھر کی شرابوں میں

کبھی وہ پوچھ بیٹھیں تو بتائیں زندگی بھر ہم
ہمیں تو حالِ دل کہنا ہے اپنے ان جوابوں میں

بسایا بھی، مٹایا بھی، رلایا بھی، ہنسایا بھی
یہ کیا کیا تم بتاؤ گے فقیر اپنے حسابوں میں

"آس جزیدہ" سے انتخاب

اقوالِ شیخ

اقوال شیخ

☆ اللہ کی معرفت کا واحد اور اکیلا سبب نبوت ہے جو صرف انسانوں کے حصہ میں آئی، کوئی دوسری مخلوق اس سے نوازی نہیں گئی۔

☆ یہ ہم میں جتنی فرقہ بازی در آئی ہے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اپنا بھی شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆ مومن کی زندگی میں اور غیر مومن کے جینے میں یہی فرق ہے کہ مومن جو کرتا ہے وہ آخرت کے لئے کرتا ہے اور کافر جو کرتا ہے وہ دنیا کے لئے کرتا ہے۔

☆ توبہ ایک عمل کا نام ہے کہ غلطی ہوگئی اس کا احساس زندہ ہو، وہ غلطی چھوڑ دے اور آئندہ کوشش کرے کہ وہ نہ کرے۔

☆ روزی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہے زندگی روزی کے لئے نہیں ہے۔ کھانا زندہ رہنے کے لئے ہے لیکن زندگی کھانے کے لئے نہیں ہے۔

☆ جب برکات کا لفظ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ہوتی ہیں وہ خاص کیفیات جو آقائے نامدار ﷺ کے قلب اطہر سے مترشح ہو کر قلوب کو قرب الٰہی کے کیف سے آشنا کرتی ہیں۔

☆ جس طرح قرآن حکیم کا سننا کسی دوسرے کے لئے ممکن نہ تھا اسی طرح از خود سمجھنا بھی ممکن نہیں۔ یہ آپ ﷺ کا منصب جلیلہ ہے۔

☆ جائز حدود کے اندر دعا کرنا، دوا کرنا یہ مسنون ہے کہ حیلہ کیا جائے لیکن یہ نہیں کہ جس نے دوا دی اس کی پوجا شروع کر دو یا جس نے نقش لکھ دیا اس کی پوجا شروع ہو جائے۔

صوفیائے کرام ذکر کی کثرت کراتے ہیں کہ قلب میں شیطان کے وساوس کی گنجائش نہ رہے اور وہ اتنا قوی ہو جائے کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہی راز ہے کہ صحابہ کرامؓ کو حضور اکرم ﷺ کے فیض صحبت سے یہ قوت قلبیہ اعلیٰ درجے پر حاصل تھی۔ ان کو ضربیں لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ سے جتنا بُعد ہوتا گیا اتنا ہی قلب کے لئے اس مقوی قلب خمیرہ کی ضرورت بڑھتی گئی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ (فضائلِ ذکر)

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

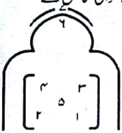

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ اوپر دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کہا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ماہانہ اجتماع
08-02-2011

ذکرِ الٰہی منفی اور مثبت انداز میں

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ سورۃ الزمر

سورۂ زمر کی یہ آیات مبارکہ تیئیسویں پارے کے آخر میں آخری رکوع میں ہیں۔ ان مبارک آیات میں ذکرِ الٰہی کا اور اللہ کے ذکر کا بیان منفی اور مثبت دونوں انداز میں فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ، کوئی ایسا بندہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو۔ یہ ایک کیفیت ہے کہ جب بھی دین کی، اسلام کی، نیکی کی بات ہوتی ہے تو اس کے دل میں بیٹھتی ہے۔ اس کے دل تک پہنچتی ہے۔ اور بدنصیبی اگر ہو تو جس طرح مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ نے کہا تھا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (النساء:155) ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ہمارے دلوں تک آپ کی بات نہیں پہنچتی۔ درحقیقت اللہ کی نافرمانی اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی پر چلتے رہنا کفر تک لے جاتا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ گناہ مفضی الی الکفر ہوتا ہے۔ گناہ کفر کی طرف چلتا ہے اور اللہ پناہ دے اگر گناہ بڑھتے رہیں، نافرمانی بڑھتی رہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اللہ کریم دل پر مہر کر دیتے ہیں پھر اسے آپ لاکھ اچھی باتیں کہیں وہ اس کے دل تک نہیں پہنچتیں وہ سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے مقابلے میں جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے اللہ کو یاد کرتا ہے بالخصوص ذکر اسم ذات شرح صدر کی بنیاد ہے اور یہ یاد رکھیں کہ ہر ذاکر اطاعت شعار ہوتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق۔ ہمارا معیار بڑا عجیب ہے۔ ہم ہر بندے کو بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ یا اس پائے کا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہر بندہ نیک یا بد، اپنی حیثیت کے مطابق اچھا یا برا ہوتا ہے۔ اگر برائی بھی کرتا ہے تو اس کی ایک حیثیت ہے اس حد تک کر سکتا ہے، نیکی بھی کرتا ہے تو اس کی اپنی ایک حیثیت ہے اس کے مطابق کر سکتا ہے وہ اپنی حیثیت میں نیک ہوتا ہے یا بد ہوتا ہے۔

تو فرمایا، بہت ہی خوش نصیب وہ ہے جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے۔ جسے شرح صدر نصیب ہو گیا ہے۔ جسے نیکی کی بات سمجھ میں بھی آتی ہے پسند بھی آتی ہے اور اس پر عمل کی کوشش بھی کرتا ہے اور شرح صدر جسے نصیب ہو جائے تو فرمایا فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے اپنے رب

کی طرف سے دیئے گئے نور پر ہے۔ یہاں نورٌ من اللہ نہیں فرمایا۔ یہاں نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فرمایا۔ صفت ربوبیت کا ذکر کیا چونکہ اللہ تمام جہانوں کا رب ہے اور رب وہ ہوتا ہے جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر وقت، ہر جگہ پوری کرے، بندے کی یہ ضرورت ہے کہ اللہ کی طرف سے اسے روشنی، نور، رہنمائی اور ایک کیفیت مل جائے کہ طبیعت نیکی اور برائی میں تمیز کرے، برائی سے نفرت کرے، نیکی پر عمل کرے تو یہ سعادت اور یہ کیفیت نصیب ہو جاتی ہے۔ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور ایک روشنی کے ساتھ چل رہا ہو۔ اب اس کے مقابل ذکر فرمایا فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ بہت بڑی بد نصیبی، بہت بڑی بدبختی ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل سخت ہو گئے۔ کیوں سخت ہو گئے؟ من ذکر اللہ۔ اللہ کا ذکر نہیں کرتے۔ یہاں اسم ذات ارشاد فرمایا چونکہ ذکر اسم ذات کا ہوتا ہے تو فرمایا من ذکر اللہ...... دلوں کی سختی کیا ہے؟ قساوت قلبی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ ذکر الٰہی سے محروم ہے۔ فَوَيْلٌ۔ وائے ہے۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ بہت بڑے نقصان میں ہیں۔ اپنا بہت خسارہ کر رہے ہیں، بہت بڑا گھاٹے کا سودا کر رہے ہیں، بہت افسوس ہے ان پر۔ دکھ ہوتا ہے ان لوگوں پر جن کے دل اتنے سخت ہو گئے ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ تو گویا دونوں حالتیں جو ہیں وہ منحصر ہیں ذکر اسم ذات پر۔ ایک دل ہے جو ذاکر ہے اسے ذکر اسم ذات نصیب ہے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اسے شرح صدر نصیب ہو جاتی ہے۔ من جانب اللہ طبیعت میں ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے جسے اللہ نے نور کہا ہے، روشنی فرمایا ہے۔ وہ نور یہ ہوتا ہے کہ اسے برائی کی شکل برائی کی صورت میں نظر آتی ہے۔ وہ برائی سے نفرت کرتا ہے اور نیکی اور اطاعت بھلی لگتی ہے۔ ایک بات بھلی لگتی ہے اسے وہ قبول کرتا ہے اسے شرح صدر یا سینے کا کھل جانا کہتے ہیں۔ یہ نعمت ذکر الٰہی کی بدولت نصیب ہوتی ہے اور میں بار ہا عرض کر چکا ہوں اور لکھا بھی جا چکا ہے کہ کوئی صرف کلمہ پڑھ لیتا ہے اسلام قبول کر لیتا ہے (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ) تو یہ بھی ذکر ہے۔ عبادت کرتا ہے تو یہ بھی عملی ذکر ہے جو اس میں پڑھتا ہے وہ ذکر لسانی ہے تسبیحات پڑھتا ہے ذکر لسانی ہے، تو ذکر کا ایک درجہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے لیکن جو درجہ مؤثر ہے، جو نتائج پیدا کرتا ہے وہ ذکر قلبی ہے۔ مزید فرمایا بہت دکھ ہے ان لوگوں کے لئے جن کے دل سخت ہو گئے۔ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اور کیوں سخت ہو گئے؟ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتے یعنی اتنے سخت ہو گئے کہ ان میں اللہ کا نام نہیں ہے۔ تو مقصود آیت یہ ہے کہ ذکر قلبی کے علاوہ بات نہیں بنتی اور ذکر قلبی سے محروم ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ ذکر قلبی نصیب نہ ہو تو بندہ گمراہ ہو جاتا ہے، راستے سے بھٹک جاتا ہے۔ فرمایا اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ اللہ کریم نے بہت خوبصورت باتیں نازل فرمائی ہیں۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ۔ اللہ کریم نے ایسی خوبصورت باتیں نازل فرمائیں ہیں جن کی مثال نہیں ملتی کوئی دوسری بات اتنا حسن نہیں رکھتی جتنا حسن اللہ کی نازل کردہ باتوں میں ہے۔ جو حسن اللہ کی کتاب اور اللہ کی نازل کردہ باتوں میں ہے وہ بے مثال ہے۔ مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ قرآن کریم مخلوق نہیں ہے۔ قرآن کریم خالق بھی نہیں ہے۔ جھگڑا یہاں پیدا ہوتا ہے کہ مخلوق نہیں ہے تو پھر خالق ہے؟ نہیں! قرآن کریم خالق بھی نہیں تو پھر قرآن کیا ہے؟ قرآن صفت ہے خالق کائنات کی۔ قرآن اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی ذات جس طرح بے مثل و بے مثال ہے اس کی صفات بھی ویسی ہی بے مثل و بے مثال ہیں۔ جس طرح اللہ کی ذات کی کوئی مثال نہیں ملتی اسی طرح اللہ کی صفات بھی بے مثل و بے مثال ہیں۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے نہ اس کی صفات میں کوئی

دوسرا شریک ہے۔تو قرآن حکیم ذات باری کا ذاتی کلام ہے اور کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے۔قرآن صفت ہے اللہ کی اور بے مثل و بے مثال ہے کوئی اس کی مثال نہیں ملتی۔اس کے الفاظ کا چناؤ، اس کے الفاظ کا استعمال، اس کے جملوں کی بندش اور اس میں اسرار و رموز، وہ اس دنیا کے ہوں یا عالم امر کے بارے ہوں یا عالم خلق کے بارے ہوں یا عالم آخرت کے بارے ہوں ہر ہر آیت میں اتنے اسرار و رموز ہیں کہ چودہ، ساڑھے چودہ سو سال ہو گئے، بڑی بڑی ہستیاں اللہ نے پیدا کیں اور انہوں نے قرآن کی تفسیر کی، تشریح کی، اس پر بات کی لیکن وہ خزانے ہیں کہ ختم ہونے پہ نہیں آتے۔کوئی نیا بندہ اللہ پیدا کر دیتا ہے تو وہ پھر نئی بات، اس سمندر کی تہہ سے کوئی نیا موتی نکال کے لے آتا ہے۔تو اللہ نے وہ باتیں نازل فرمائیں جو اپنے حسن کی مثال آپ ہیں۔کوئی دوسرا ان کی مثال نہیں۔ایک ایسی کتاب **مُّتَشَابِهًا** جس کے مضامین ملتے جلتے ہیں، یعنی جس کا کوئی مضمون کسی دوسرے مضمون کے مقابل نہیں آتا۔اس کی تردید نہیں کرتا بلکہ سارے مضمون ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ملتے جلتے ہیں۔**مَّثَانِيَ** اور جو کثرت سے دہرائی جاتی ہے، رات دن پڑھی جاتی ہے۔اللہ جن کو توفیق دیتا ہے وہ اسے پڑھتے ہی رہتے ہیں، اس کی تلاوت کرتے ہی رہتے ہیں، بے پناہ دہرائی جاتی ہے، لوگ اسے زبانی یاد کر لیتے ہیں، دل نشین کر لیتے ہیں، سینے میں جذب کر لیتے ہیں، نوک زبان پہ رہتی ہے، رات دن دنیا میں سب سے زیادہ دہرائی جانے والی، پڑھی جانے والی کتاب اللہ کا قرآن ہے۔رات دن کا کوئی لمحہ خالی نہیں جب کروڑوں لوگ زمین کے کسی نہ کسی گوشے میں تلاوت نہ کر رہے ہوں۔پھر فرمایا کتابوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ اچھی کتاب آپ پڑھتے ہیں تو وہ آپ کے خیالات کو متاثر کرتی ہے۔آپ کے ذہن کو متاثر کرتی ہے۔کوئی کوئی بات، کوئی مضمون، کوئی شعر ایسا ہوتا ہے کہ جو دل کو پسند آتا ہے، دماغ سے گزر کر دل تک پہنچ جاتا ہے لیکن یہ کتاب تو ہے ہی عجیب **تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ** اس کی کیفیات بندے کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہیں۔اس کا کمال یہ ہے کہ بہت بڑا فاضل اور عالم جب قرآن کریم پڑھتا ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق سمجھ رہا ہوتا ہے اور اس کی رگ و جان پہ، رگ و ریشے پہ، ذرے ذرے پہ اس کی ایک کیفیت بنتی ہے لیکن ایک جاہل ان پڑھ جسے ترجمہ نہیں آتا صرف قرآن کی تلاوت کر سکتا ہے وہ بھی جب پڑھ رہا ہوتا ہے تو ایک کیفیت اس کے بھی رگ و پے میں جاری ہو جاتی ہے۔وہ ترجمہ نہیں سمجھ رہا، مفہوم نہیں سمجھ رہا لیکن اس کے دہرانے، اس کی تلاوت میں خصوصیت یہ ہے۔۔۔چونکہ کلام عام جو ہوتا ہے وہ متکلم کی کیفیات کا حامل ہوتا ہے۔آپ جس کی بات سنتے ہیں، بات کرنے والا اگر نیک ہے تو وہ نیکی کا اثر اس کی بات میں بھی آتا ہے۔آپ مسلسل سنتے رہیں تو آپ نیک ہونے لگ جائیں گے۔آپ کسی بدکار کی بات سنتے ہیں تو اس کی برائی کا اثر اس کے کلام میں بھی ہوتا ہے۔مسلسل اس سے گپ شپ رکھیں تو کسی نہ کسی برائی میں آپ بھی مبتلا ہو جائیں گے۔آہستہ آہستہ وہ کیفیت بنتی ہے۔تو یہ کلام باری ہے۔اس میں ذات باری کے انوارات ہوتے ہیں۔سمجھنے والے پر اثر اس کی سمجھ کے مطابق ہوتا ہے لیکن جسے پتہ نہیں چلتا، تلاوت کی کیفیات سے وہ بھی محروم نہیں رہتا چونکہ کیفیات تو تلاوت میں ہیں تو جب تلاوت کرتا ہے تو **تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ** جن کو اللہ سے آشنائی ہے، جو عظمت الٰہی سے واقف ہیں۔خشیت کیا ہے؟ خشیت الٰہی کیا ہوتی ہے؟ خشیت الٰہی کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ بندے کو اپنی حیثیت کے مطابق یہ ادراک ہو کہ اللہ بہت عظیم ہے، بہت بڑا ہے، بہت علیم ہے، ہر چیز پر قادر ہے۔اس کے مقابلے میں مَیں نہ ہونے کے برابر ہوں، میری کوئی حیثیت

نہیں، میں بہت کمزور ہوں، میں بہت محتاج ہوں، ایک ایک قطرہ پانی، ایک ایک ذرہ خوراک کے لئے، ہوا کے ایک جھونکے کے لئے، ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے میں محتاج ہوں، جن پر میں زندہ ہوں۔ عظمت الٰہی کا احساس اور اپنی کمزوری کا ادراک خشیت پیدا کرتا ہے۔ جب اپنی کمزوری کا ادراک ہو اور اللہ کی عظمت کا احساس ہو تو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اسے خشیت کہتے ہیں۔ فرمایا جن میں خشیت موجود ہے جو اپنی حیثیت کے مطابق عظمت الٰہی سے آشنا ہیں۔ ان کا تو بال بال لرز جاتا ہے، کھال کے ریشے ریشے میں اثر پیدا ہوتا ہے اور پھر ہوتا یہ ہے کہ **ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ** پھر کھال سے لے کر نہاں خانۂ دل تک ان کا سارا وجود اللہ کا ذکر کرنے لگ جاتا ہے۔ اسے اصطلاح تصوف میں سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ آپ لطائف کرتے ہیں، چھ لطائف کرنے کے بعد ساتواں لطیفہ سلطان الاذکار ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی آواز ساتھیوں کے دلوں میں زندہ ہو گی۔ سلطان الاذکار پہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہڈیاں، چمڑا، رگ وریشہ، پٹھے، خون کا ہر قطرہ، بدن کا ذرہ ذرہ ذاکر ہو جائے "اللہ ہو" نکلے۔ کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یہی فرمایا کرتے تھے۔

آج کل سائنسی ترقی کا زمانہ ہے۔ لوگ سائنس کے حوالے سے بات بڑی جلدی مانتے ہیں اور آج کل سائنس اپنے انکشافات میں بھی بہت تیز ہے، بہت دور تک رسائی حاصل کر چکی ہے۔ اللہ جب چاہتا ہے کسی علم کا دروازہ کسی پر کھول دیتا ہے۔ پہلے سائنس دانوں کی تحقیق یہ تھی کہ انسانی وجود میں دو کھرب سیل ہیں۔ کھرب بہت زیادہ تعداد ہوتی ہے۔ سو لاکھ کا ایک کروڑ بنتا ہے، سو کروڑ کا ایک ارب بنتا ہے اور سو ارب کا ایک کھرب۔ دنیا پہ انسانوں کی آبادی ابھی چھ ارب پوری نہیں ہوئی۔ جب کہ سائنس دانوں کے مطابق انسانی وجود میں چھ کھرب سیل ہیں۔ اب اس پر نئی تحقیق آئی ہے۔ سائنس تجربات کا نام ہے جو تھوڑا بہت سائنس پہ منکشف ہوا ہے وہ ظاہر ہو جاتا ہے پھر سائنس آگے بڑھتی رہتی ہے۔ اب جو نئی تحقیق سامنے آئی ہے وہ کمپیوٹر پہ تھی میں نے اس کا پرنٹ بھی نکالا ہے۔ میرے پاس دفتر میں پڑا ہے تو سائینسدانوں نے اب یہ ریسرچ کی ہے کہ یہ دو کھرب سیل جو ہیں یہ تو ایک بچے کے وجود میں ہوتے ہیں اور وہ جب بڑھنا شروع کرتا ہے تو سیلوں کا سائز نہیں بڑھتا وہ اتنے ہی رہتے ہیں البتہ ان کی تعداد زیادہ ہونا شروع ہو جاتی ہے یعنی ان کا حجم یا ان کا وجود نہیں بڑھتا بلکہ سیلوں کی تعداد بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور یوں ایک جوان آدمی کے وجود میں ایک ہزار کھرب سیل ہوتے ہیں۔ جب آدمی اپنا وجود پورا کر لیتا ہے جو ان ہو جاتا ہے تو اس کے وجود میں ایک ہزار کھرب سیل ہو جاتے ہیں۔ جنہیں انگریزی میں آپ ملین، بلین، ٹریلین شمار کرتے ہیں تو وہ تقریباً تین ٹریلین ہوتے ہیں یعنی ایک وجود میں ایک ہزار کھرب۔ اب جب سلطان الاذکار پہ بندہ جب ایک بار اللہ ہو کرتا ہے تو اس کے وجود سے ایک ہزار کھرب بار اللہ ہو کی آواز نکلتی ہے۔ فرمایا **ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ** ان کی کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک یعنی باہر کے پردے سے لے کر انتہائی اندر تک وجود کا ہر ذرہ یا ہر سیل ذاکر ہو جاتا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ رہا اللہ کا کلام کہہ رہا ہے اور ذکر قلبی کی بات کر رہا ہے۔ قرآن حکیم بتا رہا ہے **ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ** ان کی کھال ان کی جلد سے لے کر ان کے دلوں تک اللہ کے ذکر میں لگ جاتی ہے اور کھال سے دل تک سارے وجود کے ذاکر ہونے کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ اب جس بندے کا سلطان الاذکار جاری ہو گیا تو گویا ایک لمحے میں اس کے وجود سے ایک ہزار کھرب بار اسم ذات کا نعرہ بلند ہوا۔ وجود کا ہر سیل ذکر کرنے لگا۔ یہ کیا ہے؟ فرمایا **ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ** یہی تو اللہ کی ہدایت ہے یہی تو اللہ کا انعام ہے۔ یہی تو سب سے بڑا انعام

ہے جو اس عالم آب وگل میں انسان حاصل کرسکتا ہے۔ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ لیکن جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اتنی قیمتی چیز ہے کہ ہر کس وناکس کو نہیں ملتی۔ یہ اتنا قیمتی مقام ہے کہ ہر کس وناکس کو نہیں ملتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کو مراقبات نصیب ہوئے، کسی کو فناء بقا تک نصیب ہوئے، کوئی سالک المجذوبی تک پہنچا کوئی منازل بالا میں چلا گیا، فنا فی الرسول نصیب ہوا، بارگاہِ رسالت میں پہنچا۔ یہ سب باتیں پیمانوں سے، پیمائش سے، اندازوں سے بالاتر ہیں۔ ان کے لئے یہ سوچنا کہ ان کا اتنا ثواب ہے یہ ایک جاہلانہ سی بات لگتی ہے۔ یہ میرے آپ کے پیمانوں سے بہت آگے کی بات ہے، کسی کا اس عالم آب وگل سے اٹھ کر بارگاہ رسالت میں پیش ہونا یہ انسانی، دنیاوی، مادی علوم اور ان کے اندازوں سے باہر ہے۔ یہ کیفیات ہیں۔ کیفیات کے لئے واضع نے کوئی لفظ وضع ہی نہیں فرمایا۔ یہ حاصل کی جاسکتی ہیں، محسوس کی جاسکتی ہیں، یہ لکھی پڑھی نہیں جا سکتیں لیکن جو بات قرآن حکیم بتا رہا ہے وہ فرما رہا ہے کہ جب ان پر خشیت الٰہی وارد ہوتی ہے، قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ ان کے پورے وجود میں ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہے پھر ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ تَلِيْنُ، ان کے جسم، دل، گوشت سے لے کر دل تک پورا وجود نرم ہو جاتا ہے "لین" ہو جاتا ہے۔ گناہ سے قساوت، سختی آتی ہے۔ یادالٰہی سے نرمی آتی ہے۔ اور نرم ہو کر ذکر الٰہی میں لگ جاتا ہے، اس ذکر اللہ، اس ذکر اسم ذات میں لگ جاتا ہے۔ اور اس ذکر اسم ذات سے جب پورا وجود ذاکر ہو جاتا ہے تو ایک لمحے میں ایک بدن سے ایک ہزار کھرب بار "اللہ ہو" نکلتی ہے۔ تو پھر اندازہ کیجئے کہ جس بندے کو صرف لطائف ہی نصیب ہو جائیں تو اس پر کتنا انعام ہے اور یہ کتنی قیمتی چیز ہے جسے ہم نے سنبھال کر رکھنا ہے اگر نصیب ہو جائے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آج طبیعت خراب تھی، آج ذکر نہیں ہوسکا، میرے بھائی! ذکر نہ ہو سکنے کی تو بات ہی فضول ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ اللہ نے کوئی قید نہیں لگائی کہ کس طرح ذکر کرو بلکہ فرمایا ہر حالت میں کرو۔ قبلہ رو ہو کر اور بیٹھ کر کرنا اچھی بات ہے۔ آپ کہیں سفر میں ہیں قبلہ رو نہیں تو ذکر تو کریں۔ لیٹے ہوئے ہیں، بیمار ہیں لیکن ذکر تو کریں۔ بیٹھے ہوئے ہیں، کام کر رہے ہیں ذکر تو کریں۔ پیدل چل رہے ہیں ذکر تو کریں۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے یا کسی پہلو پر ہیں ذکر کریں۔ اور پھر یہ ایک خود کار نظام ہے۔ جب چل پڑتا ہے تو چلتا رہتا ہے لیکن اسے آپ کی توجہ کی ضرورت رہتی ہے۔ فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ کسی دوسری طرف توجہ ہوگئی بھول گئے، کسی کام میں لگ گئے، جب بھی یاد آجائے پھر اسے ایک دھکا لگا دو۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ اپنے پروردگار کا ذکر کر اگر بھول جائے، جب یاد آئے پھر ذکر کر۔ کام میں مصروف ہیں، کام کر رہے ہیں، کام کرتے کرتے جب خیال آئے زوضربیں اسے، لگا دو اسے ایک دھکا اور لگا دو، وہ چلتا رہے گا۔ تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے اور اتنی بڑی دولت ہے اسی لئے آج تک یہ بارگاہ رسالت ﷺ سے نصیب ہوتی ہے۔ درمیان میں جتنے واسطے اور ذریعے ہیں یہ سب خادم ہیں بارگاہ رسالت کے۔ صحابہؓ نے تابعین نے، تبع تابعین نے لی بھی، تقسیم بھی کی۔ مشائخ عظام نے حاصل بھی کی، تقسیم بھی کی۔ لیکن صحابہ کرامؓ سے لے کر مشائخ عظام تک، یہ سارے واسطے اور ذریعے ہیں، ملتی آج بھی قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ سے ہی ہے یعنی کیفیت کا اجراء جو ہے، کیفیت کی تقسیم جو ہے وہ خزانہ جس سے یہ سمندر بہتا ہے، جس سے یہ چشمہ پھوٹتا ہے، جس سے دریا نکلتا ہے، وہ ہے قلب اطہر رسول اللہ ﷺ اور ہونا بھی چاہئے کہ یہ اتنی ہی قیمتی دولت ہے۔ بڑے بڑے اولوالعزم، بڑے بڑے اولیاء اللہ، بڑے بڑے صاحب منصب کوئی ایسا نہیں جو براہ راست اللہ سے لے کر آگے تقسیم کرے۔ ہر بڑے سے بڑا

ولی اللہ بارگاہ رسالت سے لینے کا محتاج ہے۔ آگے سارے وسائل وذرائع ہیں۔ بڑے اللہ کے قیمتی بندے ہیں وہ جن کو اس کا ذریعہ اللہ نے بنایا ہے۔ جو حاصل کرتے ہیں اور آگے تقسیم کرتے ہیں وہ بڑے عجیب لوگ ہوتے ہیں۔

"جو ترے فقیر ہوتے ہیں آدمی بے نظیر ہوتے ہیں"

ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ یہ درحقیقت ہدایت کی بنیاد ہے، یہ بنیادی پتھر ہے جس پر ہدایت کی عمارت استوار ہوتی ہے اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ یہ بڑی عجیب سی قید لگا دی کہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ جنہیں نہیں دیتا تو پھر ان بے چاروں کا کیا قصور ہے؟ وہ تو اس نے چاہا ہی نہیں۔ بات ایسی نہیں۔ اس نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ کس کو چاہتا ہے۔ فرمایا يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (الشوریٰ:13) جس کے دل میں طلب پیدا ہوتی ہے، خلوص کے ساتھ، اسے وہ عطا کر دیتا ہے۔ یہ اختیار بندے کو دیا ہے۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (الدھر:3) دونوں راستے بندے کو دکھا دیئے ہیں اب اسے اختیار ہے کہ وہ اللہ کے شکر کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے یا نافرمانی کا۔ بندے کے پاس پیدا ہونے کا اختیار نہیں ہے، اپنی شکل بنانے کا اختیار نہیں ہے، اپنی عقل حاصل کرنے کا اختیار نہیں ہے، اپنا رزق لکھنے کا اختیار نہیں ہے، اپنی عمر کا اختیار نہیں ہے، صحت وبیماری کا اختیار نہیں ہے تو پھر اسے با اختیار کیوں کہتے ہیں؟ بابا غالب نے کہا تھا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہے جو سو آپ کرے ہم کو عبث بدنام کیا

یہ انہوں نے دنیاوی اُمور کے بارے میں کہا لیکن اس بات کو بھول گئے کہ اللہ نے جو سب سے بڑا اختیار دیا ہے وہ صرف ایک ہی ہے کہ دونوں راستے بتا دیئے نیکی اور برائی کا۔ اختیار دیا کہ تم کس راستے پر چلنا چاہتے ہو۔ یہ تم نے اختیار کرنا ہے۔ فرمایا جو انابت کرتا ہے، نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے میں اسے ہدایت دے دیتا ہوں۔ اس کا مطلب ہے یہ انعام ان لوگوں کو ملتا ہے جن کے دل میں اس کی طلب پیدا ہو جائے اور جن کے دل میں طلب پیدا نہیں ہوتی وہ اپنی محرومی کا سبب خود ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے، مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔ تیرہ سالہ کی حیات مبارکہ میں کوئی منافق شامل نہیں تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ مدینہ منورہ اس وقت تین ہزار گھروں کا ایک گاؤں تھا۔ یہ بنیاد تھی اسلامی ریاست کی۔ جب ریاست قائم ہوئی تو منافقین بھی آ گئے۔ کچھ لوگ ایسے بھی آ گئے جن کے دل ہدایت نہیں چاہتے تھے لیکن وہ دنیاوی مفادات کی خاطر اسلام کا دعویٰ کر کے شامل ہو گئے۔ اور وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے رہے، روزے بھی رکھتے رہے، جہاد پر بھی جاتے رہے، اگرچہ میدان جہاد میں جا کر انہوں نے منافقت ہی کی لیکن ساتھ چلتے رہے۔ پھر ان کی نیت کا پول کھل گیا۔ انجام کار اللہ نے حکم دیا آپ ﷺ ان کے لئے دعا بھی نہیں کریں گے ان میں سے کوئی مر جائے اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھائیں گے، اس کی قبر پر تشریف لے کے بھی نہیں جائیں گے اور اللہ انہیں کبھی معاف بھی نہیں کرے گا۔ اسی طرح جب اہل اللہ کے پاس بھی جب جماعتیں بن جاتی ہیں، طالب جمع ہو جاتے ہیں، لوگ آ جاتے ہیں تو ان میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، غریب، فقیر، مسکین اور دنیادار بھی، کاروباری بھی، سرکاری عہدے دار بھی۔ تو پھر بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یار یہاں طرح طرح کے لوگ ہیں اس میں شامل ہو جانا چاہئے کسی سے کوئی کام پڑ سکتا ہے تو بندہ کام نکلوا لے۔ لیکن ہوتا کیا ہے؟ انجام کار ایسے لوگ دعا سے بھی محروم ہو جاتے ہیں کوئی ان کے حق میں دعائے خیر بھی نہیں کہتا۔ کوئی کلمہ خیر بھی نہیں کہتا۔ کوئی دو سال، کوئی چار سال، کوئی دس سال بعد جس کا دل یہ فیصلہ نہ کرے کہ مجھے اللہ کی رضا چاہئے

اس کے پاس یہ نعمت رہتی نہیں خواہ وہ اس مجلس میں برسوں بیٹھا رہے۔ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ جس کے نہاں خانہ دل میں طلب پیدا ہوتی ہے وہ طلب کی آرزو کرتا ہے۔ تو اللہ کریم اسے عطا کر دیتا ہے۔ فرمایا ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ یہ حقیقتاً رہنمائی ہے، بارگاہ الوہیت کی، بارگاہ رسالت کی، جنت کی طرف جانے کی، یہ بڑی کھلی شاہراہ ہے۔ یہ بڑا راستہ ہے بارگاہ رسالت، بارگاہ الوہیت، اللہ کی جنت میں جانے کا، جس سے وہ راضی ہوتا ہے اسے عطا کر دیتا ہے۔ جو طلب کرتا ہے اسے عطا کر دیتا ہے اور یاد رکھو! جو خلوص دل سے طلب نہیں کرتا وہ محروم رہ جاتا ہے۔ آدمی کو تو دھوکا دے سکتا ہے، بظاہر دینداروں والی صورت بنالیتا ہے اور اندر سے بات صحیح نہیں ہوتی تو اللہ اسے گمراہ کر دیتا ہے۔ آخر وہ ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور فرمایا وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اللہ گمراہ کر دیتا ہے پھر اس کی رہنمائی کوئی نہیں کرتا۔ پھر وہ ایسا بھٹکتا ہے کہ پھر اسے توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ تو قرآن کریم نے اس خزانے کا ذکر اتنے بہترین انداز میں کیا ہے اور اس دولت کی قیمت کا ایک رخ واضح کیا ہے کہ طالبوں کو کچھ اندازہ ہو سکے کہ اللہ انہیں کتنی بڑی نعمت عطا کر رہا ہے۔ تاکہ وہ شکر کریں اور جو شکر کرے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:7) تم جتنا شکر کرو گے میں اتنی نعمتیں زیادہ کرتا جاؤں گا اور دیتا جاؤں گا۔ تو انسانی عقل، انسانی علم، انسانی اندازے اس کا اندازہ نہیں کر سکتے اور یہ اتنی قیمتی دولت ہے کہ رات دن کا جتنا وقت ذکر پہ صرف ہو اصل کام پہ وہی وقت لگا۔

اللہ کریم ہمارے دلوں کو زندہ رکھے، اس دولت کا اندازہ نصیب فرمائے، احساس نصیب فرمائے، اس پر قائم رکھے اور اس نعمت کو ہم قبروں میں ساتھ لے کے جائیں۔ برزخ میں ساتھ لے کے جائیں آخرت میں ہمارا حشر صالحین اور اہل اللہ اور ذاکرین کے ساتھ ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

رزق حلال عین عبادت ہے

العروج انٹرنیشنل ٹریولز P.S.A

سلسلہ احباب کیلئے خصوصی آفر
زیارت حرمین شریفین اور ویزہ عمرہ کیلئے
بہترین پیکج حاصل کریں

ٹوٹل راتیں	مکہ	مدینہ	مکہ	ٹوٹل روپے
14 راتیں	3	8	3	18500
20 راتیں	6	10	4	23000
27 راتیں	8	14	5	27500

زائد راتوں کی صورت: مکہ کرمہ فی رات 850 اضافی — مدینہ منورہ فی رات 500 اضافی

رمضان المبارک تک ایڈوانس بکنگ جاری ہے

ساتھی ہر ماہ اجتماعی طور پر اکٹھے عمرہ پر جانے کیلئے ایڈوانس بکنگ کروا سکتے ہیں

مینجنگ ڈائریکٹر: حافظ حفیظ الرحمن ٹوبہ ٹیک سنگھ

ٹکٹ کے علاوہ مکمل پیکج
درج ذیل ہیں جو 25 شعبان تک ہونگے
یکم شعبان سے ویزہ اپرووَل ریٹ بڑھ سکتے ہیں

العروج انٹرنیشنل
عبداللہ چوک ٹوبہ ٹیک سنگھ

المرشد سے انتخاب

اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر حافظ عبدالرزاق (مرحوم) ایم اے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب نے رکھا تھا۔ عام طور پر اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ رجاء ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم عبدالمطلب نے آثار نیک دیکھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام رکھا کہ مستقبل میں یہ مولود سعید آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ محامد اور مرجع خلائق بنے۔

اگرچہ عام طور پر نام کی صرف اس قدر ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ چند چیزوں میں باہم امتیاز قائم رہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی غرض یہ نہیں۔ اسم کو اپنے مسمّٰی کی صفات، خواص اور حالات کا آئینہ ہونا چاہئے۔ افراد کے نام رکھنے میں تو اس کا کم لحاظ کیا جاتا ہے لیکن عموماً انواع واجناس کے نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں مثلاً انسان، مسلم، قوم وغیرہ البتہ شاذ و نادر طریقہ پر افراد و اشخاص کے ناموں میں بھی اس کا لحاظ کر لیا جاتا ہے مثلاً مسیح اور بدھ یہ دونوں نام اپنے مسمّٰی کے اوصاف اور خواص کو بتلاتے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں اس نام کا پتہ نہیں چلتا۔ مورخین اکثر لکھتے ہیں: ولم یکن شائعا بین العرب ھذا الاسم اس حالت کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور پر ''نام مبارک'' کا عبدالمطلب کے ذہن میں آنا منشائے خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجود گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر فطری طور پر نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نام مبارک کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ ''وہ ذات جس کی تعریف کی گئی''۔ اس ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس جامعیت کبریٰ، برزخ کامل اور مقصود آفرینش کے فضائل و کمالات کے سامنے ترجمہ ہیچ ہے۔ اللہ کے تمام نبیؑ اس کے نزدیک موجب توصیف ہیں۔ دنیا کے تمام حکیم، فاتح، عام انسانوں کی نظروں میں لائق مدح وحقائق ہیں۔ اس لئے ترجمہ کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے تفحص کو اور زیادہ وسعت دیں۔ تو صاحب مفرادت کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی مجموعۂ خوبی کے ہیں۔

اے تو مجموعۂ خوبی بچہ نامت خوانم

''اے تمام خوبیوں کے مجموعہ! میں تجھے کس نام سے پکاروں''۔

کارساز قدرت کی وسعت لامحدود، اس کے کرشمے ناقابل شمار، اس کی خِلقت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے وا ہے۔ غور کرنے سے ہم اپنی عقل کے مطابق اس فیصلہ پر پہنچتے ہیں کہ قدرت نے تخلیق انواع کے لئے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کے ہر نوع کا ایک درجۂ کمال ہے کہ جس کے آگے اس کا قدم نہیں بڑھتا۔ حیوانات، نباتات اور جمادات تک میں اس کے شواہد مل سکتے ہیں۔ صورتیں ایک ہیں، شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف جامعیت کے ساتھ ختم ہوتے ہیں ہم مقصود فطرت اور نقطہ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔ اس نقطہ تخلیق کی اصطلاح کو پوری طرح ذہن میں رکھنا چاہئے۔ یہ بات تھوڑے سے غور اور مشورے سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ تفحص اور تفتیش کے بعد تمام انواع مخلوقات کے اوصاف کا

ایک درجۂ اعلیٰ پاتے ہیں کہ جس کے آگے انسانی معلومات میں کوئی درجہ نہیں۔

دوسرے تمام انواع کی طرح اس مقصود فطرت کو انسانوں کی جماعت میں بھی تلاش کرنا ضروری ہے۔ دوسری مخلوقات اور انسانوں میں ایک عام اور بین فرق یہ ہے کہ وہاں نوع کے سینکڑوں افراد ہیں اور یہاں اوصاف وخصوصیات کے اعتبار سے ہر فرد اپنے مقام پر نوع مستقل ہے۔ آفرینش انسان کی مجمل یا مفصل تاریخ پر ایک اجمالی نظر بتلا سکتی ہے کہ آج بھی انسانی کی شکل و شباہت اس کے اعضاء وجوارح، اس کا ڈھانچہ، جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے۔ سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں لیکن دماغی کیفیتوں کا حال اس سے جداگانہ ہے۔ اس میں برابر ارتقاء اور اختلاف جاری ہے۔ اب اگر انسان کی اس ارتقائے دماغی پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ماقبل اور مابعد ادبوں اور زبانوں کی تاریخ میں ارتقائے دماغی کی آخری ترین سرحد اگر کوئی ہو سکتی ہے تو ذات قدسی صفات آقائے نامدار ﷺ کی ہے۔ صاحب لُغات قاموس نے لفظ حمد کے ایک معنی ''قضاء الحق'' کے بھی بتلائے ہیں پس لفظ محمد ﷺ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ '' وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو'' یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسانی کو جس سرحد کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حق تخلیق مقرر تھا وہ محمد ﷺ پر پورا کر دیا گیا۔ علم وعمل، خلق وخُلق، دماغ اور کیریکٹر، ارتقائے ذہنی اور ارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائنات تخلیق کا لُب لُباب ہیں۔ اول ثانی کے لئے بنیاد ہے۔ عمل علم پر، کیریکٹر دماغ پر، خُلق خلق پر قائم ہے۔ یہ ایک عجیب نکتہ ہے۔ جتنی ہی کسی انسان کی حالت مکمل ہوگی اسی قدر اس کی خُلقی کیفیت راسخ و مستحکم ہوگی۔ ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔ تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کیریکٹر اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی اور تکمیل کا جو نمونہ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک نے پیش کیا عالم انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اس کو فرمادیا گیا وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔

محاورہ عرب سے حمد کے معنی یہ بھی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا۔ حماسیات میں نیزہ بھرپور پڑنے کے وقت ''حمدت بلاءٗ'' (میں نے وار پورا کیا) کا محاورہ بہت مشہور ہے۔ اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے اور اوپر کے مضمون کو پیش نظر رکھ کر بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ لفظ محمد ﷺ کے معنی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔

منجملہ دیگر کمالات نبوت ومعجزات رسالت کے ایک معجزہ حضور اکرم ﷺ کا نام نامی بھی ہے۔ یہ زندہ جاوید معجزہ بعثت کے وقت سے ہنوز اپنے فضائل کی شہادتیں پیش کر رہا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے ''محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ''۔ یعنی جس کی تعریف کا سلسلہ ختم ہی نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف کے بعد توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی وکوشش کے مطابق جس درجہ ترقی کرتا جاتا ہے محض اعتقاداً نہیں بلکہ واقعتہً رسالتمآب روحی فداہ ﷺ کے کمالات سے پردہ اٹھتا جاتا ہے۔ علماء وفضلا یورپ کی اکثریت تاریخ اسلام کے تحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے دنیا کی مختلف پریشانیوں اور بے قراریوں کو معلوم کرنے کی ضرورت جتنی ان کے نزدیک بڑھتی جاتی ہے بادل ناخواستہ انہیں اس راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنا پڑتی ہے کہ بے شبہ پیغمبر اسلام کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالم انسان کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اہل ایشیاء کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے اسی قدر وہ پیغمبر عالم ﷺ سے قریب تر ہوتا

جاتا ہے۔ یہ دنیا کا صرف واحد معجزہ ہے کہ نام مبارک تیرہ سو برس پہلے سے اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے۔ مستقبل میں دنیا کی عمر جس قدر دراز ہوگی خواہ وہ موجود حالت میں ترقی کرے جس کی بظاہر امید نہیں اور خواہ وہ اپنے پچھلے سبق دہرائے دونوں حالتوں میں اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا۔ اس حیثیت سے نام مبارک محمد ﷺ کا ترجمہ سلسلہ اوصاف ومحامد ہوگا۔

جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ عام طور پر اشخاص کے نام اور اوصاف باہم کوئی نسبت نہیں رکھتے شاذ و نادر اتفاقی حیثیت سے تناسب بھی مل جاتا ہے اور ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ دار اور اس کی شبہائے حیات کی تفصیل ہو۔ مگر نام نامی آقائے نامدار ﷺ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اسی مطابقت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص نام کے رکھنے کی عبدالمطلب کو ایک غیبی تحریک ہوئی۔

اب غور کیا جائے تو آنحضرت ﷺ کی زندگی کا خلاصہ، دوست و دشمن کی یکساں تنقید، کافروں کی رائے زنی کا ماحصل اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ علم و عمل ظاہر و باطن خَلق وخُلق ہر حیثیت سے حضور اکرم ﷺ کی زندگی قابل تعریف تھی اور اسی کے خلاصہ حیات کا ترجمہ ہے محمد ﷺ۔

اور اس سے بھی زیادہ عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کمال اور کمال اختلاف بھی انبیاءؑ کی مخصوص اور ممتاز صفات میں سے ہے۔ دوسرے انبیاءؑ کا کمال علمی و عملی کسی ایک خاص صفت میں مخصوص تھا لیکن حضور اکرم ﷺ کی جامعیت آپ ﷺ کی سوانح اور تعلیمات سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ لفظ محمد ﷺ کے معنی مجموعۂ خوبی اور مخلوق کامل کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے اس حالت پر کمال کلی کی انتہا اور معارف کا اختتام ہے جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے۔ مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کیا ہے وہ باوجود ہزار سعی تنقیص، اعتراف کمال پر مجبور ہوئے ہیں۔ ولیم میور اور مارگولیتھ جیسے متعصب لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے۔ عہد نبوت میں بھی اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں کہ بعض سخت ترین منکر ایک توجہ نظر اقدس کی تاب نہ لا سکے۔ عبداللہ بن سلام جو نامور علماء یہود میں سے تھے وہ جس طرح ایمان لائے معلوم ہے۔ بعثت کے حالات، سیرت طیبہ، تعلیم وتلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نامہ مبارک میں بیان کیا گیا ہے۔ لفظ ''محمد'' ﷺ عربی زبان میں ''تحمید'' سے مشتق ہے جو باب تفعیل کا مصدر ہے اس باب کے معنی کے خواص میں سے ہے کہ کسی کام کا وجود میں آنا اس طور پر مانا جائے کہ گویا کسی مخفی یا ظاہر طاقت نے وجود میں آنے کیلئے مجبور کیا جیسے (حَرَّف) (پھیر دیا) یعنی کسی طاقت نے بے اختیار کر کے ''پھیر دیا'' اس طرح محمد ﷺ کے معنی میں وہ جس کی تعریف بے اختیار کی گئی ہو اس معنی سے اسی قوت جاذبہ اور کشش اصلی کی طرف اشارہ ہے۔ عبداللہ بن سلام کے متعلق مروی ہے کہ وہ چہرہ اقدس کو دیکھتے ہی پکار اٹھے اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ (ابن ابی شیبہ) یعنی یہ چہرہ جھوٹے کا ہرگز نہیں۔ یورپ میں بڑی ہوشیارانہ تدبیر سے محمد رسول اللہ ﷺ کو بدترین پیرایوں میں دکھلانے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اب بعض جماعتوں اور خدا ترس بندوں کی طرف سے جو مساعی جمیلہ کی جارہی ہیں انہوں نے تجربہ کرا دیا ہے کہ جب کبھی اصل صورت ان کے سامنے پیش کی گئی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ یہی تو ہمارا کعبہ مقصود ہے۔

اس باب کی دوسری خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کام کے اس طور پر ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تمام پہلوؤں کا استقصاء کئے ہوئے ہو۔ کوئی جزو اس سے چھٹا ہوا نہیں جیسے قتلہ تقتیلا یعنی خوب خوب قتل کیا۔ اس خاصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے نام مبارک کے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ محمد ﷺ یعنی جس کا جزو جزو قابل تعریف ہے اصلاح نفس، تدبیر منزل اور تدبیر مُدن کی وہ کون سی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش نہیں کر دیا۔ انبیاءؑ کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص ترتیب و نظام کے ساتھ آیا اور ہر ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمال، اخلاقی یا عرفانی یا انتظامی لایا۔ یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حدو نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالم انسانیت کے سامنے ایک ایسا نمونہ کامل پیش کیا جائے جو ان تمام صفات کا مجموعہ اور فضائل کا آئینہ ہو جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسویانہ ہستی مسیحانہ اخلاق اور ابراہیمی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے اور ان تمام اوصاف میں اپنے متقدمین سے بالاتر ہو۔ وہ جامع ہستی اور کامل ذات پاک محمد رسول اللہ ﷺ ہے اسی لئے حضرت مسیحؑ نے اپنی بشارت میں لفظ ''احمد'' فرمایا یعنی وہ آئے گا جو اپنے تمام پہلے آنے والوں کا سردار اور سب پر فائق ہوگا۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب نے اپنی کامل نشو و نما جب ہی پائی ہے جب وہ معرفت و روحانیت کی آغوش سے نکل کر سلطنت اور حکومت کی گود میں چلے گئے۔ مسیحی مذہب کی ترقی رومی بادشاہوں کی رہینِ احسان ہے۔ بدھ نے بہت کچھ تبلیغ کی لیکن اس کا عالمگیر مذہب بھی اس وقت اپنی تکمیل کر سکا جب وہ اشوک خاندان کی سرپرستی میں آ گیا لیکن اسلام اپنی تاریخ میں بالکل علیحدہ ہے۔ وہ جن جن ملکوں میں گیا اور جن جماعتوں میں پھیلا اخلاق اور روحانیت سے لیکر گیا۔ غریب تلوار تو اسلام میں روحانیت اور مذہب کے داخلہ کے بعد گئی ہے۔ افریقہ اور ہندوستان کی نظریں اس بارہ میں بہت صاف ہیں اس نعمت تبلیغ کو بھی نام مبارک میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(الانعام:45)

بظاہر ان اسباب مفاسد کے مٹنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی لیکن فطرت کی تدبیریں اندر اندر جاری رہتی ہیں۔ ایک وقت معین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ فطرت کی رفتار ہوا کی طرح تیز اور سیلاب کی طرح نرم ہوتی ہے۔ خوش تدبیری اور حسن اسلاب کے موقع پر بھی حمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ پس لفظ ''محمد ﷺ'' کے ایک معنی یہ بھی قرار دیے جا سکتے ہیں کہ وہ جو خوش تدبیری اور خوش اسلوبی کا مجموعہ ہو۔ آپ ﷺ کی تعلیم کی وسعت، آپ ﷺ کا لایا ہوا دین، خدا کی خاص مرضی، اللہ کی خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا۔ جس کی سرعت اور بغیر جدوجہد رفتار ترقی سے اس وقت بھی دنیا متحیر ہے۔ الغرض اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معنی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع اور بڑے فضائل کا خلاصہ ہے۔ ایک طرف وہ اپنے مسمّیٰ کے کام اور کام کے انجام کی پیش گوئی ہے دوسری طرف اس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لُبِ لُباب ہے۔

پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی ﷺ کا ایسا پاک نام رکھا اور پاکیزہ ہے وہ نبی ﷺ جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سماء ابھار کر
اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بیشمار کر

صل علیٰ محمدٍ صل علیٰ محمدٍ

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

26-07-2010 | شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان | سورۃ بقرہ آیات 167 تا 248

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"تمثل اعمال"

"قولہ تعالیٰ كَذٰلِكَ يُرِيهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ البقرہ:167

ترجمہ: اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان کر کے ان کو دکھلا دیں گے۔

اس میں بعض تفاسیر کی بناء پر اصل ہے اس کی کہ تمثل اعمال کے قائل ہوئے ہیں۔"

....

فرماتے ہیں اس میں اصل ہے کہ تمثیل اعمال کے قائل بھی ہیں۔اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر عمل کا ایک وجود ہوتا ہے۔ اگر کوئی برائی کرتا ہے تو اس کا بدشکل، گھناؤنا ایک وجود بھی ہوتا ہے۔ نیکی کرتا ہے تو اس کا خوبصورت وجود بھی ہوتا ہے۔"

....

"غلو فی المجاہدہ کا ابطال"

"قولہ تعالیٰ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ البقرہ:168

ترجمہ: جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے حلال پاک چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔

اس میں ابطال ہے غلو فی المجاہدہ کا"

....

یعنی یہ جو مجاہدہ اس طرح کا کرایا جاتا ہے کہ بندہ بھوکا رہے کھانا نہ کھائے، سوئے نہیں، یہ درست نہیں ہے بلکہ فرمایا كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا حلال اور پاک چیزیں کھاؤ۔فرمایا اس سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر شیخ میں قوت ہو اور وہ مراقبات کرا سکتا ہو تو پھر ان چیزوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ وقت پر آرام بھی کر لے، کھائے پیئے بھی لیکن حلال کھائے، طیب کھائے، پاکیزہ کھائے تو شیخ کی توجہ سے اسے مراقبات یا مشاہدات ہوتے ہیں۔اکثر لوگوں میں یہ قوت نہیں ہوتی ہے اور بات زبانی زبانی ہوتی ہے تو پھر چلے کئے جاتے ہیں کہ بندے کو بھوکا رکھو، اسے سونے نہ دو، اس سے بدن میں کمزوری آجاتی ہے۔قلب سے چربی اترتی ہے تو کچھ نہ کچھ تصاویر سی اسے نظر آنے لگ جاتی ہیں۔ تو فرمایا یہ تصوف کے مجاہدے کا حصہ نہیں ہے۔تصوف کا سب سے بڑا مجاہدہ اتباع سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

....

"بلا تردد شیخ کا اتباع"

"قولہ تعالیٰ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ البقرہ:170

ترجمہ: کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

اس میں دلالت ہے اس پر کہ جس شخص کا صاحب عقل واہتداء

ہونا اجمالاً بھی ثابت ہو جاوے اس کا اتباع مطلقاً جائز ہے اور یہ اصل ہے بلا تردد مشائخ کے اتباع کرنے کی۔"

....

فرمایا قرآن کریم میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس کے باپ دادا کچھ جانتے نہیں تھے، حق پر نہیں تھے وہ ان کا اتباع کرتے ہیں۔ اس کو رد کیا گیا کہ یہ درست نہیں لیکن فرماتے ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ حق پر ہوں خواہ متقدمین ہوں یا باپ دادا ہوں لیکن حق پر ہوں ان کا اتباع کیا جائے گا کہ وہ حق کا اتباع ہے، محض باپ دادا کا اتباع نہیں۔ تو اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ جس شخص کا صاحب عقل واستدلال ہونا ثابت ہو اس کا اتباع جائز ہے یعنی مشائخ کا اتباع مطلقاً جائز ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مشائخ، رسول اللہ ﷺ کے احکام کو جانتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں تو وہ اتباع ان کا نہیں ہوگا، وہ اتباع سنت کا ہوگا۔ لہٰذا مشائخ کا اتباع جائز ہوگا۔

....

"بعض احوال میں تناول لذات کا مستحسن ہونا"

"قولہ تعالیٰ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ (البقرہ:172)

ترجمہ: جو پاک چیزیں ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو۔

یہ دال ہے اس پر کہ طیبات مستلذات کا تناول کرنا کبھی حق تعالیٰ کی محبت اور شکر تک پہنچا دیتا ہے، اس طرح وہ مستحسن ہوگا۔"

....

فرماتے ہیں اس میں یہ دلیل ہے کہ اچھا کھانا اور اللہ کی نعمتیں استعمال کرنا بھی مقام شکر تک پہنچا دیتا ہے۔ بات تو ایمان اور نیت اور خلوص کی ہے۔ اگر نیت درست ہے، عقیدہ درست ہے، دل میں خلوص ہے تو اللہ کی نعمتیں استعمال کر کے بھی وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔

....

"حقائق الاعمال کا اثبات"

"قولہ تعالیٰ مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ البقرہ:174

ترجمہ: اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں۔

اس میں اصل ہے اس کی کہ جس کے حقائق اعمال میں قابل ہوئے ہیں"۔

....

یہ عمل کی ایک حقیقت ہے۔ اس سے ایک صورت بنتی ہے جو حرام کھاتے ہیں، سود کھاتے ہیں، رشوت کھاتے ہیں، دوسروں کا مال لوٹ کر یا دھوکے سے کھاتے ہیں۔ فرمایا مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں۔ اس میں اس بات کی اصل ہے کہ اعمال میں حقائق ہوتے ہیں اور حرام کی حقیقت آگ ہے۔ کسی کا مال ناجائز طریقے سے کھانا ایسے ہے جیسے پیٹ میں آگ بھری جا رہی ہے۔

....

"صورت محضہ کا بدون معنی کے معتبر نہیں"

"قولہ تعالیٰ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (البقرہ:177)

ترجمہ: کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرو یا مغرب کو۔

اس میں دلیل ہے اس پر کہ صورت محضہ بدون معنی کے معتبر نہیں۔"

....

یعنی آپ کوئی نیک کام کرتے ہیں لیکن اس میں نہ نیت خالص ہے نہ مقصد خالص ہے۔ کوئی نیکی کرتا ہے کہ لوگ مجھے نیک سمجھیں۔ کوئی لمبے لمبے سجدے کرتا ہے کہ لوگ مجھے عبادت گزار سمجھیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ محض صورت عبادت کا اعتبار نہیں جب تک اس میں خلوص نہ ہو۔

....

"حب مال کا مطلقاً مضر نہ ہونا"

"قولہ تعالیٰ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

ترجمہ: اور مال دینا اللہ کی محبت میں۔

اگر حُبِّہٖ میں ضمیر مال کی طرف راجع ہو تو آیت دلیل ہے اس کی کہ حُب مال مطلقاً مضر نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو تو آیت دلیل ہے طریق عشاق پر کہ وہ صرف حق تعالیٰ ہی سے محبت رکھتے ہیں (خرچ بھی صرف اسی کی محبت سے کرتے ہیں) غیر اللہ سے محبت (بالذات) نہیں کرتے اگرچہ وہ ثواب ہی ہو"۔

فرماتے ہیں مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں۔ فرماتے ہیں اگر اس کا اشارہ، اس کی ضمیر مال کی طرف ہو وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مال کی محبت منع نہیں ہے، مال کمانا منع نہیں ہے۔ شریعت کے مطابق کمانا شریعت کے مطابق خرچ کرنا دین ہے۔ ہاں! یہ یاد رہے کہ اللہ کے مقابلے میں مال کی محبت بڑھ نہ جائے یعنی یہ کہ اللہ کی نافرمانی کر کے مال جمع کرنے نہ لگ جائے اور اگر اس کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو تو پھر دلیل یہ ہے کہ ان کا طرز زندگی عشاق کا ہوتا ہے۔ ان کی محبت صرف اللہ سے ہوتی ہے۔ جو وسائل ان کے پاس ہوتے ہیں انہیں اس کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں اور جو دکھاوے کے اعمال کرتے ہیں مثال کے طور پر کبھی اپنا حلیہ ایسا خاص بناتے ہیں رعب جمانے کے لئے یا قیمتی کپڑے پہنتے ہیں اپنے آپ کو دوسروں سے برتر ثابت کرنے کے لئے یا بڑا مال خرچ کرتے ہیں بعض امور پر کہ لوگ سمجھیں کہ بہت بڑا آدمی ہے۔ یہ اور بات ہے اور جو اللہ کے بندے ہیں اگر وہ لباس بھی استعمال کرتے ہیں تو اس میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کھانا نصیب ہوتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ایسی جگہوں پر مال صرف کرتے ہیں جہاں سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

"فنا کے اندر بقا کا ہونا"

"قولہ تعالیٰ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ البقرہ:179

ترجمہ: اور قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے۔

بعض نے اس کی تفسیر حیاۃ اخروی کے ساتھ کی ہے پس معنی یہ ہوں گے کہ قاتل سے جب دنیا میں قصاص لے لیا جائے پھر اس سے حق مقتول کا آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا۔ جمہور کے نزدیک تو مطلقاً اور حنفیہ کی نزدیک قاتل کے تسلیم نفس کے بعد۔ پس اس تفسیر پر یہ آیت دال ہوگی فنا کے اندر بقا ہونے پر۔"

اس کی تفسیر اس بات پر دلالت ہے کہ اگر کسی کا قتل ہو گیا ارادتاً یا غلطی سے اور پھر اس کا قصاص لے لیا گیا تو اس کا بدلہ دنیا میں ہو گیا اب آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا۔ ایک بات اور بھی ہے اس میں وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ تمہاری زندگی قصاص میں ہے۔ اس میں یہ بات بھی ہے کہ جب عدل ہوگا تو قومی زندگی میں امن و سکون ہوگا۔ حکومت طویل عرصے تک چلے گی۔ اگر عدل نہیں کریں گے، قصاص نہیں لیں گے، مجرموں کو سزا نہیں دی جائے گی، سفارشی چھوڑ دیئے جائیں گے، رشوت لے کر چھوڑ دیئے جائیں گے تو ایسی حکومتوں کا اقتدار خطرے میں ہوتا ہے اور ان کے اقتدار کی زندگی مختصر ہو جاتی ہے۔

"مِلک مال اور کمال تقویٰ میں فناء نہ ہونا"

"قولہ تعالیٰ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا البقرہ:180

ترجمہ: بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا۔

اس تعبیر میں دلالت ہے اس پر کہ مال کا مالک ہونا تقویٰ کامل کے منافی نہیں جبکہ اس کے حقوق ادا ہوتے رہیں"۔

فرماتے ہیں اس میں دلالت ہے کہ مالدار ہونا تقویٰ کے خلاف نہیں ہے۔ مال جائز حلال وسائل سے ہو تو مالدار ہونا بھی اللہ کا

انعام ہے۔ مالدار آدمی بھی متقی ہوتا ہے۔ مالدار ہونا کوئی جرم نہیں ہے بشرطیکہ ناجائز ذرائع نہ ہوں اور مال حلال ہو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مرنے والا اگر اپنے پیچھے رہنے والوں کے لئے کچھ مال چھوڑ جائے تو اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ پچھلوں کو بالکل افلاس کی نذر نہ کرے۔

"مجاہدہ کا نافع ہونا"

"قولہ تعالیٰ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ:183)

ترجمہ: تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ۔

اس میں بیان ہے ثمرۂ مجاہدہ کا۔ پس اس میں دو مسئلے ہیں۔ ایک مجاہدہ کا نافع ہونا۔ دوسرا اس کے ثمرات کے بیان کا مشروع ہونا۔ جیسا کہ شیوخ جب مصلحت دیکھتے ہیں اس کو بیان کرتے ہیں۔"

دو باتیں ہیں اس میں کہ روزے کو اللہ نے فرض کیا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ اوّل یہ کہ مجاہدہ اگر حضور اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق کیا جائے تو اس پر پھل لگتا ہے۔ وہ خالی نہیں جاتا اور دوسری بات کہ مشائخ جو مجاہدات فرما دیتے ہیں کہ اس طرح یہ محنت کرو وہ محنت کرو وہ یقیناً بار آور ثابت ہوتی ہے۔

"احاطہ ذاتیہ"

"قولہ تعالیٰ فَإِنِّي قَرِيبٌ (البقرہ:186)

ترجمہ: تو میں اس کے قریب ہی ہوں۔

اس کا ظاہر احاطۂ ذاتیہ وقرب ذاتی پر دلالت کرتا ہے"۔

فرمایا یہ جو اللہ کریم نے فرمایا فَإِنِّي قَرِيبٌ یہ اس کے قرب ذاتی پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی ایک تو یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر شئے کے ساتھ ہے یعنی وہ جانتا ہے لیکن دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ ذاتی طور پر ہر شئے کے ساتھ موجود ہے۔

"مجاہدہ کی تعدیل"

"قولہ تعالیٰ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ (البقرہ:187)

ترجمہ: تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیبیوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا ہے۔ اس میں مجاہدہ کی تعدیل ہے۔"

یعنی مجاہدے میں توازن ہونا چاہئے یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بندے کو توڑ کے رکھ دے یا وہ اس کی قوت برداشت سے باہر ہو جائے یا بالکل چھوڑ ہی دے۔ نہیں۔ اس میں ایک اعتدال کی راہ ہونی چاہئے۔

"اسباب کی صحت"

"قولہ تعالیٰ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ (البقرہ:197)

ترجمہ: سب سے بڑی بات خرچ میں بچا رہنا ہے۔

اس میں ضعفاء کے لئے اسباب کی حکمت کا بیان ہے"۔

یعنی جو لوگ زیادہ مجاہدہ نہیں کر سکتے یا اللہ پر توکل کر کے اگر کچھ تھوڑی سی سختی آ جائے تو برداشت نہیں کر سکتے تو جائز اسباب اختیار کریں تو اس میں حرج نہیں ہے۔

"مقدمہ واجب کا واجب ہے"

"قولہ تعالیٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ البقرہ:197

ترجمہ: اے ذی عقل لوگو مجھ سے ڈرتے رہو۔

یہ امر بالزاد کے لئے مثل مقدمہ ثانیہ کے ہے اور تقریر مطلوب کی یہ ہے کہ زاد سبب ہے تقویٰ کا اور تقویٰ واجب ہے۔ نتیجہ یہ نکلا

کہ زاد سبب ہے واجب کا پس وہ بھی واجب ہے اور یہ اس پر موقوف ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہے۔ پس اس طریق سے آیت اس پر دال ہوئی کہ مقدمہ واجب کا واجب ہے اور یہ تصوف کے مسائل کثیرہ کی اصل ہے جن کی طرف اہل ظاہر کی نظر اس لئے نہیں گئی کہ ان کی نظر دقیق نہیں ہے''۔

....

تو فرماتے ہیں کہ کسی کے پاس زاد یعنی سرمایہ ہو تو وہ بھی اسے برائی سے بچانے کا اور تقویٰ تک پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے۔ ایک شخص کے پاس حلال وسائل ہوں تو اسے چوری کرنے کی یا رشوت لینے کی کیا ضرورت ہے؟ گویا حلال مال کا ہونا برائی نہیں بلکہ نیکی کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔

....

''دنیا سے دین میں مدد لینا''

''قولہ تعالیٰ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا (البقرہ:198)

ترجمہ: تم کو اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو۔

اس میں دلالت ہے اس پر کہ دنیا سے دین پر استعانت کرنا بھی طاعت ہے''۔

....

فرماتے ہیں اس میں بھی ذرا گناہ نہیں کہ معاش تلاش کرو۔ اس میں دلالت ہے کہ دنیا سے دین میں استعانت کرنا بھی اطاعت الٰہی ہے۔ یعنی روزی تلاش کرنا کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ اللہ کا حکم ہے کہ حلال روزی تلاش کرو اور فرماتے ہیں کہ یہ بھی دین کو قائم کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ دو طرح سے کہ ایک تو وسائل حلال اختیار کرتا ہے۔ ناجائز کی طرف نہیں جاتا پھر اس سے جو رزق حاصل ہوتا ہے اسے جائز مواقع پر خرچ کرتا ہے۔ اسراف نہیں کرتا تو یہ ساری باتیں اس کے دین میں معاون ہوتی ہیں۔

....

''فن کی مثالوں میں حق کو خلق سے تشبیہ دینے کی اصل''

''قولہ تعالیٰ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (البقرہ:200)

ترجمہ: تو حق تعالیٰ کا ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء کا ذکر کیا کرتے ہو۔

اس میں اصل ہے تشبیہ حق بالخلق کی جیسا یہاں ذکرِ حق کو ذکرِ خلق سے تشبیہہ دی گئی ہے''۔

....

اس میں اصل ہے کہ مخلوق سے خالق کی عظمت کا اندازہ کیا جائے یعنی مخلوق کو دیکھ کر مخلوق کی صنعت کو دیکھ کر خالق تک پہنچنے کی اصل ہے۔

....

''رخصت میں جب مصلحت ہو اس کا عزیمت سے کم ہونا''

''قولہ تعالیٰ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرہ:203)

ترجمہ: جو شخص دو دن میں تاخیر کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔

اس میں رخصت کا عزیمت کے ساتھ مساوی ہونا ہے جبکہ اس میں کچھ مصلحت ہو چنانچہ یہاں تعجیل و تاخیر میں مساواۃ فرمائی''۔

....

اس میں رخصت کا عزیمت کے ساتھ مساوی ہونا ہے۔ بڑی خوبصورت بات حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی۔ بعض لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ ہر حال میں عزیمت کا پہلو ہی اختیار کیا جائے مثلاً بیمار ہے، ڈاکٹر کہتا ہے کہ اگر تم ہاتھ، منہ، پاؤں دھوؤ گے، وضو کرو گے، سر پر پانی ڈالو گے تو تمہاری بیماری بڑھ جائے گی لیکن وہ سمجھتا ہے کہ تیمم کرنا تو ایک رخصت ہے میں تو عزیمت پر ہی عمل کروں گا۔ مرنا تو ایک دن ہے ہی۔ فرماتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ جتنا ثواب عزیمت پر ہے اتنا ہی ثواب رخصت پر ہے کیونکہ عزیمت بھی اللہ نے مقرر کی ہے اور رخصت بھی اس نے مقرر کی ہے۔ ایک آدمی کھڑا نہیں ہو سکتا وہ کہتا ہے کہ مجھے دو بندے پکڑیں تو پھر میں کھڑا ہو

کر ہی پڑھوں گا۔ تو اللہ نے رخصت دی ہے کہ بیٹھ کر پڑھ لو۔ فرمایا رخصت چھوڑ دینا بھی اسی طرح ہے جیسے عزیمت چھوڑ دینا اور اسی طرح رخصت پر عمل کرنا بھی اسی طرح ہے جس طرح عزیمت پر عمل کرنا۔ جہاں اللہ کریم نے رخصت دی ہے وہاں رخصت سے فائدہ حاصل کرنا بھی اللہ کی رضا کا سبب ہے اور یہ رویہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے علاقے میں ایک بزرگ ہوتے تھے وہ روزہ نہیں رکھ سکتے تھے لیکن وہ روزہ چھوڑتے نہیں تھے۔ تو ان کے احباب بڑے شوق سے یہ بات بیان کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ روزہ رکھتے تھے پھر عصر کے بعد قریب المرگ ہو جاتے تھے۔ سانس نہیں آتی تھی۔ پھر گردن کی نالیوں پر روغن بادام سے انہیں مالش کرتے تھے۔ لوگ ان کے اس رویے کو تقویٰ کی مثال کے طور پر بیان کرتے تھے حالانکہ شریعت اجازت دیتی ہے کہ جب روزہ نہیں رکھ سکتا تو اس کا فدیہ دے۔ اللہ نے دوسرا راستہ بتا دیا ہے۔ تو فرمایا رخصت پر عمل کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسا عزیمت پر عمل کرنا۔ تو جہاں اللہ نے رخصت دی ہے اس پر عمل نہ کرنا بھی ویسی ہی نافرمانی ہے جیسے عزیمت پر عمل نہ کرنا۔

....

"فناء نفس"

"قولہ تعالیٰ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ (البقرہ:207)

ترجمہ: اور بعضا آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کر ڈالتا ہے۔

اس میں فناء نفس پر دلالت ہے کیونکہ اس کا حاصل دواعی نفس کا ترک کرنا ہے"۔

....

نفس انسانی چونکہ عناصر اربعہ سے وجود میں آتا ہے۔ اس میں مادے کا عکس موجود ہوتا ہے۔ وہ مادی نعمتوں پر جھپٹتا ہے۔ یہ بھی لے لوں، وہ بھی لے لوں، وہ بھی کھا لوں، یہ بھی پہن لوں لیکن جو لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں وہ نفس کی بات نہیں سنتے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات سنتے ہیں۔ جس چیز کی اجازت ہوتی ہے وہ کرتے ہیں جس چیز کی اجازت نہیں ہوتی وہ نہیں کرتے۔

....

"برکات پر اعمال سے زیادہ مواخذہ"

"قولہ تعالیٰ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ (البقرہ:208)

ترجمہ: اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو۔

سبب نزول کے لحاظ کرنے کے بعد اس میں اصل ہے صوفیہ کے تشدد کرنے کے اعمال سے زیادہ مناشی اعمال میں"۔

....

یعنی صوفیاء جو بڑی شدت سے منع کرتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں سے روکتے ہیں، اس کی اصل اس میں ہے کہ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو ورنہ عام آدمی تو کہتا ہے کہ ہم انسان ہیں جی یہ چھوٹا موٹا گناہ تو ہو ہی جاتا ہے۔ جب آدمی حلقہ ذکر میں آتا ہے، سلوک سیکھتا ہے تو مشائخ اسے چھوٹی اور ادنیٰ نافرمانیوں کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں پوری کوشش کرو سو فیصد اتباع شریعت کرو۔ یہ رعائتیں صوفی نہیں دیتے کہ خیر ہے جی بندے سے چھوٹا موٹا گناہ ہو جاتا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں اس کی اصل ہے کہ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو تو چھوٹا موٹا عمل بھی جو خلاف شریعت ہوتا ہے دراصل تو شیطان کی پیروی میں ہوتا ہے۔

....

"مسئلہ مظہریت"

"قولہ تعالیٰ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (البقرہ:210)

ترجمہ: یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس آویں"۔

اس آیت کی توجیہہ میں جو تاویلات مذکور و مشہور ہیں ظاہر ہے

کہ اگر کوئی اس کا قائل ہو جائے کہ حق تعالیٰ جس طرح چاہے ظہور فرما سکتا ہے اور وہ عین حالت ظہور میں بھی اپنے اطلاق پر باقی ہے یہاں تک کہ قید اطلاق سے بھی مطلق و منزہ ہے جیسا کہ سلف امت کا مذہب تھا اور جیسا کہ حضرات صوفیہ کا مسلک ہے تو وہ شخص ان تاویلات و تکلفات کا محتاج نہ ہوگا پس آیت دلیل ہے مسئلہ مظہریت کے صحیح ہونے پر"۔

....

یعنی اللہ تعالیٰ کا اور فرشتوں کا بادلوں کی چھاؤں میں آنا بیان ہو رہا ہے جو قیامت کا منظر ہے تو فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتے۔ صوفیاء کا یہ کہنا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے لیکن اس میں بھی اس کی ذات منزہ ہے کسی چیز میں حلول کرنے سے۔ اس کے باوجود وہ ہر جگہ ذاتی طور پر موجود ہے۔

....

"شیخ کاذب کی مذمت"

"قولہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (البقرہ:204)

ترجمہ: اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے، مزہ دار معلوم ہوتی ہے۔

اسی مدعی محبت وعقیدت رسول اللہ ﷺ کے مشابہ اس شخص کی حالت ہے جو محبت الٰہیہ کا دعویٰ کرتا ہے اور حقائق اسرار میں کلام کرتا ہے اور احوال خاصہ کو ظاہر کرتا ہے حالانکہ بالکل کاذب ہے"۔

....

فرمایا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی باتیں آپ کو بہت بھلی لگتی ہیں۔ فرمایا یہ ان جھوٹے مدعیان تصوف کی دلیل ہے کہ جن کے پاس کیفیات نہیں ہوتیں لیکن لفاظی ہوتی ہے۔ الفاظ کا چناؤ اور جملوں اور محاوروں کا استعمال کر کے وہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں عشق رسول ﷺ کا اور محبت رسول ﷺ کا لیکن ان سے کسی کو کیفیات نصیب نہیں ہوتیں۔ کسی کا ایک لطیفہ قلب بھی جاری نہیں ہوتا۔ لطائف بھی نصیب نہیں ہوتے۔ تو یہ محض لفاظی کی وجہ سے لوگوں کو جمع کئے رکھتے ہیں۔ فرمایا یہ لوگ کذاب ہیں، جھوٹے ہیں۔

....

"اپنے وجود کو تسلیم کر دینا"

"قولہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (البقرہ208)

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو۔ اس میں اپنی ہستی کو حق تعالیٰ کی طرف تسلیم کر دینے پر دلالت ہے"۔

....

اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان لانے کے بعد بندے کی اپنی پسند ختم ہو جائے اور بندہ اللہ کی شریعت میں فنا ہو جائے۔ وہ چیزیں اسے بھلی لگیں جن کی اللہ نے اجازت دی ہے اور جن کاموں کی اللہ نے اجازت نہیں دی وہ اس کے مزاج سے ہی نکل جائیں، اسے اچھی نہ لگیں۔

....

"مجاہدہ کا شرط عادی ہونا وصول الی اللہ کے لئے"

"قولہ تعالیٰ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ البقرہ:214

ترجمہ: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں جا داخل ہو گے۔

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بارگاہ قدس تک رسائی بدون ترک لذات وتحمل مجاہدات میسر نہیں اور حدیث حفت الجنۃ بالمکارہ سے اس کی تائید ہوتی ہے"۔

....

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ تمہارا خیال ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ فرمایا کہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ

ہے کہ بارگاہِ قدس میں رسائی ترک لذات اور تحمل مجاہدات کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ جو آیت ہے کہ کیا تم نے سوچ رکھا ہے کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے، تمہیں کچھ کرنا نہیں پڑے گا؟ فرمایا اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ مجاہدہ بھی کرنا پڑتا ہے اور ترک لذات سے مراد ہوتا ہے کہ ضرورت سے زائد چیزیں محض لذات حاصل کرنے کے لئے کھانا یا محض لذت حاصل کرنے کے لئے پہننا جیسے کرتہ پہننا اوپر واسکٹ ہے اوپر چوغا بھی پہننا اس کے اوپر ایک چادر بھی لے لی ہے اس میں ایک دکھاوے کی لذت ہے۔ اسی طرح ضرورت کا نہیں کھایا بلکہ ذائقے کی لذت کے لئے کھاتے چلے گئے وہ بھی مزیدار ہے وہ بھی دو چمچ کھالو۔ وہ بھی مزے دار ہے یہ بھی لے لو۔ فرمایا یہ چیزیں چھوڑنا پڑیں گی۔ اگر اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے تو سیدھا سیدھا خالص ہونا ہوگا۔

....

"اہل کمال میں امور طبیعہ کا پایا جانا"

"قولہ تعالیٰ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ" (البقرہ:214)

ترجمہ: کہ پیغمبر تک اور جوان کے ہمراہ اہل ایمان تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی امداد کب ہوگی۔

اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ امور طبیعہ کاملین میں بھی رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کا گھبرا کر استعجال نصرت اس آیت میں مذکور ہے"۔

....

یعنی امور طبیعہ کاملین میں بھی رہتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ کے مطابق اہل ایمان پر اتنی مصیبتیں آئیں کہ اللہ کے رسول نے بھی کہا کہ یا اللہ تیری مدد کب پہنچے گی؟ یعنی اپنی مدد جلدی بھیج اور ان کے ساتھ جو ایمان دار تھے انہوں نے بھی آرزو کی۔ فرمایا اس میں اللہ خود بتا رہا ہے اور رسول ﷺ کا ذکر کر رہا ہے، ساتھ مومنین کا ذکر کر رہا ہے تو فرمایا امور طبیعہ کاملین میں بھی رہتے ہیں یعنی رسولوں میں بھی انسانی مزاج ہوتا ہے جیسے ان کو یقین ہے کہ اللہ کی مدد آئے گی لیکن انسانی مزاج ہے کہ جلدی آجائے۔ اس طرح کاملین میں بھی انسانی اوصاف رہتے ہیں جو انسانی طبیعتیں ہیں۔ کوئی عزیز فوت ہو جائے تو انہیں بھی دکھ ہوتا ہے ان کے گھر میں کوئی خوشی آئے تو انہیں بھی خوشی ہوتی ہے۔ جو انسانی طبائع ہیں وہ کاملین میں بھی ہوتے ہیں۔

....

"قبض کی مصلحت"

"قولہ تعالیٰ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ:216)

ترجمہ: یہ ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو۔ یہ لفظ شئے قبض کو بھی عام ہے پس اس میں بھی منافع ہوتے ہیں"۔

....

فرماتے ہیں کہ اللہ کا فرمان ہے کہ تم کسی عمل کو برا سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو یعنی شریعت پر عمل کرنے کے لئے اپنی عقل کا استعمال درست نہیں۔ حکم کی تصدیق کافی ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے بس ٹھیک ہے۔ ممکن ہے تم اپنی عقل دوڑاؤ تو تمہیں پتہ چلے کہ اس میں میرا نقصان ہوگا لیکن دراصل اس میں تمہارا فائدہ ہے اس لئے احکام شریعت کے مقابلے میں یا سنت کے مقابلے میں اپنی عقل دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تصدیق ہو جائے کہ یہ حکم ہے اس پر عمل کرلو۔

....

"ذخیرہ نہ رکھنے کی اصل"

"قولہ تعالیٰ قُلِ الْعَفْوَ" (البقرہ:219)

ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔

اس میں اصل ہے ذخیرہ نہ رکھنے کی جیسا بہت سے بزرگوں کا

مذاق ہوا ہے۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کتنا مال خرچ کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا جو ضرورت سے زائد ہو۔ فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے ذخیرہ نہ رکھنے کی۔ بہت بزرگوں کا یہ مذاق اور حال رہا ہے کہ وہ چیز جمع نہیں رکھتے تھے تقسیم کر دیتے تھے۔ فرماتے ہیں اس میں اصل ہے کہ ضرورت سے زائد اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔

"نکاح اور درویشی میں تنافی نہ ہونا"

"قولہ تعالیٰ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (البقرہ:226)

ترجمہ: سو اگر یہ لوگ رجوع کر لیں تو اللہ معاف کر دیں گے۔

مراد رجوع الی النکاح ہے۔ پس یہ دال ہوا اس پر کہ نکاح منافی نہیں درویشی کے"۔

یہ نکاح کے موضوع کی آیات ہیں کہ اگر یہ لوگ اس طرف رجوع کر لیں تو اچھی بات ہے۔ یہ دلیل ہے کہ نکاح کرنا مجاہدے کے منافی نہیں اور درویشی اور تصوف کے منافی نہیں بلکہ نکاح کرنا تو ایک اور مجاہدہ بن جاتا ہے، منافی کیسے ہوگا۔ ایک صحابیؓ فرماتے تھے ان کا اسم گرامی اس وقت میرے ذہن میں نہیں۔ فرماتے تھے کہ اگر بستر مرگ پر بھی ہوں اور میری بیوی فوت ہو جائے تو میں کوشش کروں گا کہ میں نکاح ثانی کر لوں اور اس حال میں مروں کہ میرے گھر میں بیوی ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا جس کے بیوی بچے نہیں ہوتے اور جس کے ہوتے ہیں دونوں اگر نیک کام کرتے ہیں تو جس کے بیوی بچے ہیں اس کا ثواب کئی گنا زیادہ ہوتا ہے کہ اس پر ذمہ داریاں اور مجبوریاں بہت سی ہیں۔ ان کے ساتھ وہ یہ کام کر رہا ہے اور جس کے نہیں ہیں تو اس کا اجر اس کے حساب سے ہوتا ہے اور اس کا اس کے حساب سے۔ تو فرمایا نکاح کرنا، بیوی بچے ہونا یہ تصوف وسلوک کے منافی نہیں مجاہدے کے منافی نہیں۔ میں تو یہ عرض کروں گا کہ یہ خود مجاہدہ ہے۔ مجاہدے کے منافی کیا معنی؟ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک نکاح ثانی کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر پچاس ساٹھ کے درمیان تھی تو کسی نے کہا آپ نے تو دوسری شادی کا راستہ کھول دیا ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے زیر اثر یہ رواج در آیا کہ لوگ نکاح ثانی کو برا سمجھنے لگے بلکہ دوسری شادی بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے راستہ کھولا نہیں میں نے تو بند کر دیا ہے اس لئے کہ جس طرح میں دونوں بیویوں میں عدل کرتا ہوں اس طرح کوئی کر سکے گا تو دوسری شادی کرے گا۔

"تعجیل فی ترک التعلقات کا ناپسند ہونا"

"قولہ تعالیٰ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (البقرہ:229)

ترجمہ: وہ طلاق دو مرتبہ ہے۔

اس میں اس پر دلالت ہے کہ ترک تعلقات میں تعجیل کرنا خلاف مصلحت ہے کیونکہ اس میں کبھی ندامت ہوتی ہے۔"

فرماتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے کہ ترک تعلق میں تعجیل کرنا خلاف مصلحت ہے۔ فرماتے ہیں کسی سے تعلق توڑنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ کسی معمولی سی بات پر بھائی سے بھائی بولنا چھوڑ دیتا ہے۔ اتنی جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ اس میں آخر ندامت ہوتی ہے۔ تعلقات توڑنے میں بھی کچھ صبر سے کام لینا چاہئے اور ممکن حد تک دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ قائم رہیں تو اچھا ہے۔

"مفضی الی المذموم مذموم ہے"

"قولہ تعالیٰ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا (البقرہ231)

ترجمہ: اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رکھو۔

اس میں اس پر دلالت ہے کہ جو امر مفضی الی المذموم ہو وہ مذموم ہے چنانچہ امساک بغرض اعتداء سے نہیں فرمائی اور یہ تصوف کی فروع کثیرہ کی اصل ہے"۔

....

طلاق دینے کے بعد عورتوں کو روکے رکھنا اور محض تنگ کرنے کے لئے ان کو نکاح ثانی نہ کرنے دینا اس کو اللہ کریم نے منع فرمایا کہ ان کو تنگ کرنے کے لئے ایسا مت کرو۔ یہاں فرماتے ہیں کہ جو بات کسی مذموم کی طرف لے کر جائے مفضی الی المذموم، کسی بری بات کی طرف، کسی دوسرے کو دکھ دینے کی طرف لے جاتی ہے وہ بات از خود ہی بری ہوگی۔ جو بات برائی کا سبب بنتی ہے وہ بات بری ہے۔ خواہ بظاہر کتنے حسین الفاظ میں ہو۔

....

"مباح میں تشدّد دنا مناسب ہونا"

"قولہ تعالیٰ تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ (البقرہ:232)

ترجمہ: تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں......الخ

اس میں دلالت ہے کہ ہر مباح سے منع کرنے میں تشدد نہ کیا جاوے جب اس مباح میں کوئی مفسدہ نہ ہو اور خصوص جبکہ اس کے ترک میں کوئی مفسدہ ہو"۔

....

اس میں دلالت ہے کہ عمل مباح سے منع کرنے میں تشدد نہ کیا جائے۔ اس میں صوفیاء کے لئے دلیل ہے کہ امور میں درجات کا لحاظ رکھا جائے، یعنی ایک حکم فرض ہے دوسرا واجب ہے، کچھ مباحات ہیں جن کی اجازت ہے کہ یہ بھی کرلو تو عمل مباح سے نہ روکا جائے، جس سے شریعت نہیں روکتی اس سے روکا نہ جائے۔

....

"ضعف طالب کی رعایت"

"قولہ تعالیٰ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ (البقرہ:235)

ترجمہ: اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو پیغام دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو۔

اس میں دلالت ہے کہ امر بالمجاہدہ میں طالب کے ضعف کی رعایت ضروری ہے"۔

....

یعنی مجاہدے کا حکم جب شیخ دے تو طالب کو بھی دیکھے اور اس کی ہمت کو بھی دیکھے جتنا وہ کر سکتا ہے اتنا مجاہدہ اس سے کرایا جائے۔

....

"علو ہمت و ترک اسراف"

"قولہ تعالیٰ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ البقرہ:237

ترجمہ: اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

اس میں تعلیم ہے علو ہمت اور ترک اسراف کی مردوں کو تعلیم دی تکمیل مہر کی اور یہ کہ عورتوں کے معاف کر دینے کا انتظار نہ کریں"۔

....

یہ مہر کے بارے میں ہے یعنی مہر بندے کے ذمے ہے۔ اگر اس نے عورت کو طلاق دے دی ہے تو اسے روک کر نہ بیٹھے کہ وہ شاید مہر معاف کر دے بلکہ اپنی طرف سے فوراً ادا کرنے کی کوشش کرے اس کے باوجود اگر وہ معاف کر دے تو اچھا ہے۔ اس طرح نہیں کہ زبردستی اور حیلے حوالے کر کے معاف کرائے تو اس میں صوفیاء کے لئے دلیل ہے کہ جس کا جو حق بنتا ہے وہ روکا نہ جائے۔

....

"تخفیف فی الاعمال"

"قولہ تعالیٰ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا (البقرہ:239)

ترجمہ: تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے۔

اس میں اصل ہے تخفیف اعمال کی عدداً بھی اور ہیئۃً بھی (کہ سفر میں قصر ہوا اور ہیئت میں توسع ہوگیا)''۔

فرمایا یہ صلوٰۃ کے بارے میں ہے کہ اگر ایسی صورت بن جائے کہ سواری سے نہ اتر سکو تو سواری پر صلوٰۃ ادا کرلو۔ ایسی صورت بن جائے کہ کہیں ایسے ہی کھڑے ہو بیٹھنے کی گنجائش نہ ہو۔ کھڑے کھڑے کرلو۔ تو فرمایا اس میں اصل ہے، تخفیف اعمال کی عدداً بھی اور ہیئۃً بھی یعنی اس میں اس بات کی اصل ہے کہ حالات ایسے ہو جائیں تو عمل کی تعداد میں کمی ہو سکتی ہے۔ جیسے نماز چار رکعات ہے تو حالت جنگ میں دو رکعت امام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور پھر اسی طرح فوج کا دوسرا حصہ دو رکعت پڑھ لیتا ہے لیکن اس دو رکعت کا ثواب اس چار رکعات کے برابر ہی ملتا ہے یا بیماری ہے کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس کا ثواب بھی اتنا ہی ملتا ہے جتنا وہ ساری عمر کھڑے ہو کر پڑھتا رہا۔ صوفیاء کے لئے اس میں دلیل ہے کہ مجاہدے کی حدود ہوتی ہیں اور ہمت سے بڑھ کر کسی کو حکم نہ دیا جائے۔

''قبض کا مثل بسط کے ہونا''

''قولہ تعالیٰ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَ يَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (البقرہ:245)

ترجمہ: اور اللہ کمی کرتے ہیں فراخی کرتے ہیں۔

اس میں اس طرف بھی رمز ہے کہ مرجع قبض اور بسط دونوں میں حق تعالیٰ ہے کیونکہ دونوں موصل الی اللہ اور اس کے ظہور تجلیات کے آئینے ہیں پس دونوں محمود ہیں''۔

صوفی پر اگر قبض آجائے، قبض کا مطلب ہے اس کے حالات رک جائیں یا اسے ایسا محسوس ہو کہ کیفیات جاتی رہی ہیں تو یہ بھی من جانب اللہ ہے اور محمود ہے اور اس میں بھی اس کا کوئی فائدہ ہے۔ اور بسط آجائے، کیفیات کی فراوانی ہو تو یہ بھی اتنا ہی اچھا ہے کہ دونوں فعل اللہ کے ہیں۔

''تبرک بآثار صالحین''

''قولہ تعالیٰ يَاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ (البقرہ:248)

ترجمہ: تمہارے پاس وہ صندوق آجاوے گا جس میں تسکین کی چیز ہے۔

اس میں اصل ہے آثار صالحین سے برکت حاصل کرنے کی۔

فرمایا اس میں اصل ہے کہ بزرگوں کی اور نیک لوگوں کی جو چیزیں ہیں ان سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں چونکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی کچھ چیزیں تھیں۔ انؑ کے لباس ان کی نعلین مبارک تھیں اور انؑ کا عصائے موسوی بھی تھا تو انہوں نے قوم کو خوشخبری دی کہ وہ صندوق جسے عمالقہ لوٹ کر لے گئے تھے وہ واپس آجائے گا۔ فرماتے ہیں کہ آثار صالحین یعنی نیک لوگوں کی جو چیزیں رہ جاتی ہیں۔ لباس یا کتابیں یا چیزیں تو ان کی برکت اور ان کی کیفیات بھی ہوتی ہیں۔ اور ان سے برکت حاصل ہوتی ہے۔

دعائے مغفرت

1۔ سلسلہ عالیہ کے ساتھی اللہ دتہ تمیمی (اویسیہ سوسائٹی لاہور) کی والدہ ماجدہ
2۔ سپیشل کلاس کے ساتھی محمد افضل (گرین ٹاؤن لاہور) کی والدہ ماجدہ
3۔ سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد عادل (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کی والدہ ماجدہ
4۔ سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد آصف (فیصل آباد) کے والد محترم
5۔ سپیشل کلاس کے ساتھی نصراللہ (لاہور) کے والد محترم
6۔ مساعد عالم (امیر جماعت اوکاڑہ) کی والدہ محترمہ
7۔ سلسلہ کے ساتھی محمد اکرم بیلی (گوجرانوالہ)

قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ ان سب کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

خوشخبری

حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرّم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کے لئے انتہائی موثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر Cholestro Care	Rs.200	کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے
پین گو Pain Go	Rs.100	مالش کے لیے ہر طرح کے درد کے لئے مفید ہے
ہیر گارڈ آئل Hair guard Oil	Rs.500	بالوں کی صحت کے لئے مفید ہے۔
Cough Ez	Rs.30	کھانسی کیلئے گولیاں
کیوریکس CUREX	Rs.175	جوڑوں کے درد اور کمر کے درد سمیت ہر قسم کے دردوں کیلئے کھانے کے لیے

ملنے کا پتہ:۔ دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال فون 0543-562200

17۔ اویسیہ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-35182727

اس دورِ پُر فتن میں سلوک و معرفت کا حصول کتنا آسان ہے

فیض الرحمٰن ۔ اسلام آباد

اگست 2002ء کے المرشد میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا اللہ یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گاؤں کے باہر ایک مزار ہے۔ ابتدائی دور میں حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی تک مراقبات کروا کر برزخ میں کلام کرنے کا طریقہ بھی بتاتے تھے۔ اس مزار پر لے جاتے اور بات چیت کرواتے۔ مزار والے بزرگ بتاتے تھے کہ میں پیدل چل کر دہلی پہنچا۔ ایک شیخ کے پاس 25 سال رہا۔ انہوں نے فنافی الرسول کروا دیا۔ اور کہا کہ اپنے علاقے میں یا اپنے گھر مت جانا جو کچھ حاصل کیا ہے سب ضائع ہو جائے گا۔ وہاں کا ماحول، رشتے داریاں، ان کے جھگڑے سب اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ چنانچہ میں یہاں ویرانے میں آ گیا۔ نہ گھر بنایا، نہ شادی کی، نہ گھر والوں سے ملنے گیا۔ اس طرح اس نعمت عظمیٰ کی حفاظت کر کے برزخ تک لانے میں کامیاب ہو گیا۔

مندرجہ بالا واقعہ پڑھنے کے بعد انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے اور جتنا غور و فکر کرتا ہے اس کی حیرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ مثلاً دہلی تک کا سفر کتنے ماہ میں طے کیا ہوگا؟ اکیلے سفر کیا ہوگا یا کسی قافلے کے ساتھ؟ اس زمانے میں آبادی کم ہوتی تھی اس لئے گاؤں اور شہر دور دور ہوتے تھے۔ ویرانے اور جنگل عام تھے۔ کئی راتیں ویرانوں اور جنگلوں میں بھی گزارنی پڑی ہوں گی۔ درندوں اور حشرات الارض (سانپ اور بچھو وغیرہ) سے بھی واسطہ پڑا ہوگا۔ راستے میں انسان بیمار بھی پڑ جاتا ہے، پیدل سفر کتنے پُر خطر اور پُر صعوبت ہوتے تھے۔ آج اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے مقابلے میں ہمارے دور میں سفر کتنا آسان ہے۔ ہوائی جہاز، ریل گاڑی، ایر کنڈیشنڈ بسیں اور کاروں نے سفر کتنا آسان بنا دیا ہے اور پھر دارالعرفان تک کا فاصلہ ہی کتنا ہے؟

ان صاحب کو فنافی الرسول حاصل کرتے 25 سال لگے۔ آج سلسلۂ عالیہ میں اگر کوئی خلوص اور لگن کے ساتھ محنت کرے تو دو تین سال میں فنافی الرسول جیسی نعمت عظمیٰ حاصل ہو جاتی ہے۔ ہم نے ایسی مثالیں بھی دیکھی ہیں کہ کئی ایسے لوگ سلسلۂ عالیہ سے متعارف ہوئے جنہوں نے حج کر رکھا تھا۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے، کئی سالوں سے تہجد باقاعدگی سے پڑھتے تھے، داڑھی بھی شریعت کے مطابق تھی، مقامی صاحبِ مجاز نے ایک ہفتے کے اندر مسجد نبوی تک مراقبات کروا دیئے اور چند ماہ بعد سالانہ اجتماع کے موقع پر روحانی بیعت کرا دی گئی۔

صوفیائے متقدمین کے ادوار میں بڑے سخت قسم کے مجاہدے کروائے جاتے تھے۔ یعنی کم سونا، کم کھانا، کم بولنا اور لوگوں سے کم میل ملاقات۔ یہ اتنے سخت مجاہدے ہوتے تھے کہ آج ان کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجدد طریقت، قلزم فیوضات، بحر العلوم، حامل قرب عبدیت، حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے آج کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ سب مجاہدے ترک کروا دیئے ہیں۔ اس لئے ہم حصول سلوک کے ساتھ ساتھ ملازمت بھی کر سکتے ہیں، تجارت بھی کر سکتے ہیں، کھیتی باڑی بھی کر سکتے ہیں اور دنیا کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز بھی ہو سکتے ہیں۔ شادی بھی کر سکتے ہیں، اچھا گھر بھی بنا سکتے ہیں، گھروں میں پنکھے، کولر، اے سی اور فرج جیسی سہولتیں بھی زیر استعمال رہتی ہیں۔ بہت سارے ذاکرین کے پاس ایک یا زیادہ کاریں بھی ہوں گی۔ اس کے مقابلے میں وہ شخص پیدل سفر کر کے دہلی گیا۔ فنافی الرسول جیسی نعمت حاصل کرنے میں 25 سال لگے۔ تکمیل سلوک کے بعد جب وطن واپس آنے لگا تو شیخ نے کہہ دیا کہ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور دیگر رشتے داروں سے ملاقات بھی نہیں کرنی اور ان کے ساتھ بھی نہیں رہنا ورنہ یہ نعمت

ضائع ہو جائے گی۔ چنانچہ نہ اس نے گھر بنایا اور نہ اس نے شادی کی۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ دنیا کی رنگینیاں بھی اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر سکیں۔ پوری زندگی میں اس کا ایک ہی مقصد تھا اور اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھکرا دیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

صوفیائے متقدمین اور صوفیائے متاخرین کے دور میں سلوک کی تعلیم حاصل کرنا کتنا دشوار تھا۔ اس کے بارے میں پچھلے چند صفحات پر کچھ گذارشات پیش کی ہیں۔ ایک پہلو ابھی تشنہ رہ گیا ہے۔ حضرت تھانویؒ کے دور تک ہر سالک کے اوپر ایک بہت ہی کٹھن مرحلہ آتا تھا۔ اسے شدید قبض کی حالت کہا جاتا تھا۔ حضرت تھانویؒ کی سوانح حیات میں اس پہلو پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگلے چند صفحات میں اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

قبض و بسط:

حضرت عائشہؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ابتدائے نبوت میں جب وحی کے نزول میں توقف ہوا) اس درجہ مغموم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادہ سے تشریف لے گئے کہ پہاڑ کی بلندی سے گر کر جان دے دیں سو جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے گرانے کی غرض سے چڑھتے تو جبرائیل آپ کو نظر آتے۔ اور فرماتے اے محمد ﷺ (مغموم مت ہوں) آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تو بیچ بیچ اس سے آپ ﷺ کے قلب کو سکون ہو جاتا۔ اور جی ٹھہر جاتا۔

واردات قلبی کا منقطع ہونا جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے، قبض کہلاتا ہے۔ خوف و رجاء جب بڑھ جاتا ہے تو قبض و بسط ہوتا ہے۔ قبض کے مقابل حالت بسط ہے یعنی آثار لطف و فضل کے وارد ہونے سے قلب کو سرور و فرحت حاصل ہونا۔ قبض کا سبب صرف عدم رضائے حق نہیں بلکہ بعض اوقات من جانب اللہ وارد کی جاتی ہے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ حق کا طالب ہے یا لذت کا، بعض اوقات سالک کی اصلاح کے لئے بھی بسط کو سلب کر لیا جاتا ہے تاکہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔ قبض منافع میں بسط سے بڑھ کر ہے، گو قبض کے وقت وہ منافع معلوم نہ ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم ہو جاتے ہیں۔ قبض سے عُجب کا علاج ہوتا ہے۔ تواضع۔ انکساری اور عبدیت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

حضرت تھانویؒ کے ایک مرید (مولوی محمد دین حنفی چشتی) نے ان کی کتابوں اور رسالوں سے مضامین لے کر ایک کتاب ترتیب دی تھی۔ جس کا نام ''شریعت اور طریقت'' رکھا تھا۔ اور کتب خانہ اشرفیہ، کوہاٹی بازار، راولپنڈی سے شائع کی تھی۔ تصوف کے اوپر بڑی جامع کتاب ہے۔ قبض اور بسط کے بارے میں اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ''شریعت اور طریقت'' سے اخذ کیا گیا ہے۔

حضرت تھانویؒ کے قبضِ شدید کے واقعات:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفۂ مجاز (خواجہ عزیز الحسن مجذوب) نے ان کی سوانح حیات بعنوان ''اشرف السوانح'' تین جلدوں میں لکھی تھی۔ وہ لکھنے کے ساتھ ساتھ مسودہ حضرت تھانویؒ کو دکھاتے بھی جاتے تھے اس لئے سوانح حیات حقیقت سے قریب تر سمجھی جا سکتی ہے۔ اس کتاب کو ایم ثناء اللہ خان اینڈ سنز۔ ۲۶ ریلوے روڈ۔ لاہور۔ نے ۱۳۷۸ ہجری میں بار سوم شائع کیا۔ جلد اوّل کے صفحہ ۳۸۳ سے ۵۰۰ تک غلبۂ قبض و ہیبت کے واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کئے گئے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی بڑی اہلیہ کے خالو کو (جو زمیندار تھے) دشمن کاشتکاروں نے شہید کر دیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں تجہیز و تکفین ہوئی۔ دوران غسل مرحوم و مظلوم کا زخم رسیدہ سر اور ان کی نعش کا حسرتناک منظر برابر پیش نظر رہا اور حضرت تھانویؒ کے نازک اور پر سوز قلب کو وزدیدہ طور پر سخت زخمی اور متاثر کرتا رہا۔ جب دفن سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے آئے اور آ کر دہلیز میں بیٹھے تو گھر کے اندر سے مستورات کے رونے کی آواز آئی۔ قلب تو زخمی ہو ہی چکا تھا، بس اس پر ایسی کاری ضرب لگی کہ اختلاج کی سی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ ابھی ایک تاثر سے قلب سبکدوش نہ ہونے پایا تھا کہ دو تین دن بعد سسرال میں ایک اور غمی ہو گئی جس کے سلسلہ میں گنگوہ جانا ہوا۔ اس واقعہ سے صدمہ زدہ قلب کو ایک اور صدمہ پہنچا۔ اور چوٹ کھائے ہوئے دل پر ایک اور چوٹ لگی۔ گو اپنی حقیقت میں تو یہ دوسرا حادثہ پہلے حادثہ کے برابر سخت نہ تھا لیکن وہ پچھلے تاثر کو بڑھانے میں مددگار ہو گیا۔

اسی حال میں کہ قلب سخت ماؤف و متاثر ہو رہا تھا پچھلی رات کو

تہجد کے لئے وضو کرتے ہوئے یک بیک بلا اختیار ایک خطرۂ منکرہ کا ورود ہوا۔ جس کا حاصل چند الفاظ تھے جو دفعتہً متخیلہ میں واقع ہو گئے۔ گویہ کوئی نئی بات نہ تھی کیونکہ اس قسم کے خطرات سالکین کو پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ بلکہ حضرت صحابہ کرامؓ بھی خطرات سے خالی نہ تھے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس سے قبل اور بعد بھی اس قسم کے خطرات آئے ہوں گے۔ لیکن اس مرتبہ اس درجہ شدید اثر ہوا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی ہی سے بیزار ہو گئے یہاں تک کہ خودکشی کے وسوسے آنے لگے چنانچہ وہ خود فرماتے تھے کہ ایک بار ایک صاحب ملنے آئے ان کے پاس اس وقت بھری ہوئی بندوق تھی۔ بار بار میرے جی میں آتا تھا کہ ان سے کہہ دوں کہ خدا کے لئے فائر کر کے میرے ناپاک وجود سے دنیا کو پاک کر دو۔ کیونکہ میں اس حالت کو بُعد (یعنی اللہ تعالیٰ سے دوری) اور اس بُعد کے وہم سے اپنے آپ کو فرعون اور ہامان سے بھی بدتر (باوجود اپنے کو مومن اور ان کو کافر سمجھنے کے) سمجھتا تھا۔ چونکہ یہ ذوقیات ہیں اس لئے بس اس سے زیادہ وضاحت نہیں کر سکتا۔ یوں سمجھتا تھا کہ جس بلا میں وہ لوگ مبتلا تھے اس سے تو ان کو ایمان لا کر ایک منٹ میں چھٹکارا ہو سکتا تھا اور میں جس مصیبت میں گرفتار ہوں اس سے سالہا سال میں بھی خلاصی ممکن نہیں ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حالت کی شدت کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ بڑی مصیبت یہ تھی کہ اگر ذکر کرنے بیٹھتا (جو قرب کی حالت تھی) تو ساتھ کے ساتھ وہ خطرۂ منکرہ بھی عود کرتا اور اگر عودِ خطرہ سے بچنے کی غرض سے ذکر کو منقطع کرنا چاہتا (جو کہ بُعد کی حالت تھی) تو اس کو کسی طرح دل گوارا نہ کرتا۔ گویا یہ حالت تھی:

من شمع جانگدازم تو صبح دل کشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چوں رُخ نمائی
نزدیک آنچنانم دور آنچناں کہ گفتم
نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

غرض سخت کشمکش میں مبتلا تھا اور ایسی شدید حالت تھی کہ باوجود صحت بدنی کے موت کو حیات پر ہزار ہا درجہ ترجیح دیتا تھا۔

یہ حالات و واقعات ۱۶-۱۳۱۵ ہجری میں پیش آئے۔ اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ یعنی حاجی امداد اللہ تھانوی (مہاجر مکی و مدنی رحمۃ اللہ علیہ) مکہ معظمہ میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں ڈاک بذریعہ بحری جہاز آتی جاتی تھی اس لئے خط کا جواب آنے میں بہت دیر لگ جاتی تھی۔ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت بہت پریشان ہوتی تو مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ ان کے پیر بھائی تھے لیکن تکمیل سلوک میں ان سے بہت سینئر تھے) سے ملاقات کے لئے چلے جاتے یا ان کو خط لکھ دیتے۔ اس طرح طبیعت کو کچھ سکون آ جاتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط کے جواب میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

خط آپ کا موصول ہو کر کاشفِ احوال ہوا۔ اگر یہ خوف و حزن امورِ آخرت سے ہے تو محمود ہے۔ بزرگوں کو اسی خوف سے بڑی بڑی شدت سے قبض واقع ہوا۔ حتیٰ کہ بعض نے جان بھی دے دی۔ پس یہ حالت تو جائے شکر ہے نہ کہ جائے غم۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسی غم میں بیت المقدس میں دس سال تک پریشان رہے۔ اطباء ان کے علاج سے عاجز ہو گئے۔ آخر ایک یہودی طبیب نے ان کو دیکھا اور تشخیص کی کہ ان کو کوئی جسمی مرض نہیں ہے بلکہ خوف آخرت ہے، اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ پس مژدہ ہو کہ حق تعالیٰ نے یہ دولت آپ کو دی۔ ایسے حزن پر ہزار فرحت قربان اور اس حالت کی موت شہادت کبریٰ ہے۔

حضرت تھانویؒ کی خط و کتابت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے اور اپنے شیخ حاجی امداد اللہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مسلسل جاری رہی۔ اور بوقت ضرورت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات بھی کر لیتے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دور ابتلاء ایک سال سے زائد عرصہ تک جاری رہا بعد ازاں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جتنے مرید تھے سب کو اس کٹھن مرحلہ سے گزرنا پڑا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جس طرح ان سالکین کی تربیت اور رہنمائی فرماتے رہے وہ ساری تفاصیل بھی سوانح حیات میں دی ہوئی ہیں۔

ناچیز کے خیال میں شدید قبض کی وجہ وہ مجاہدات تھے جو ان حضرات کو کروائے جاتے تھے یعنی کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور لوگوں سے کم ملنا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کٹھن مرحلہ کے اختتام پر لکھا ہوا ہے کہ اس شدید و مدید قبض کے بعد جو بسط و انس میسر ہوا

وہ بفضلہ تعالیٰ بے نظیر و لا زوال اور ترقی پذیر تھا۔ اور جو انشراح و سکون حاصل ہوا وہ نہایت راسخ و متمکن و روز افزوں تھا۔

شدید قبض کا علاج:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سارے تجربے کا نچوڑ سوانح حیات میں دیا ہوا ہے جو کہ بہت طویل ہے چند اہم حصوں کے تذکرہ پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

1۔ ایک طالب نے جن پر ہیبت کا غلبہ تھا ایک طویل عریضہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کچھ عرصہ سے میں حالاً اور وجداناً اپنے اندر کفر کی حالت پاتا ہوں۔ اگر چہ بحمد للہ عقیدہ میں کچھ فرق نہیں لیکن ذوقاً اپنے اعمال و افعال کفر معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً تحریر فرمایا۔ مبارک ہو یہ حالت ہیبت کہلاتی ہے جو حالت رفیعہ ہے۔ اکابر صحابہؓ پر یہ حالت گزری ہے۔ صحیح بخاری میں ستر صحابہؓ کی نسبت آیا ہے کُلُّھُمْ یَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰی نَفْسِہٖ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد یہ کیفیت مبدل بہ انس ہو جائے گی۔ بندہ پر بھی یہ حالت گزری ہے جس میں ہزاروں منافع حاصل ہوئے۔ مثلاً زوال عُجب و مشاہدۂ قدرت و معائنۂ عجز خود وغیرہ۔

2۔ ایک اور مبتلائے پریشانی نے یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اس ورطۂ ناپیدا کنار سے ساحل تک پہنچا دیجئے۔ ورنہ اس نابکار، نا ہنجار، بدکردار و بدشعار کو جان تلف کرنے کے لئے فتویٰ کی کوئی حاجت باقی نہیں رہی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ حالت قبض کہلاتی ہے اور منافع میں یہ بسط سے بھی زیادہ ہے گو عین قبض کے وقت وہ منافع معلوم نہ ہوں مگر بعد میں اکثر معلوم بھی ہو جاتے ہیں۔ جو حالات اس وقت آپ پر طاری ہیں یہ غایت انکسار و عبدیت کے آثار ہیں جن پر دولت قرب کے مرتب ہونے کی قوی امید ہے ہرگز پریشان نہ ہوں ذکر جس قدر ہو سکے کر لیا کیجئے۔ استغفار کی قدرے کثرت رکھیں۔ جب تک یہ حالت رہے ہفتہ میں ایک یا دو بار اطلاع دیتے رہئے۔ سب کو یہ حالت پیش آتی ہے یہ سب رستہ ہی کی گھاٹیاں ہیں۔

3۔ ایک اور اہل قبض کو تحریر فرماتے ہیں۔ مبارک مبارک یہ وہ حالت ہے کہ میری تمنا دل سے اپنے متعلقین کے لئے اس کے طاری ہونے کی ہوا کرتی ہے اور اس کے منافع اس قدر ہیں کہ بیان کرنا مشکل ہے۔ مثلاً عجب و کبر کی جڑ کٹ جانا، وساوس و خطرات غیر اختیاریہ یعنی تصرفاتِ شیطانیہ کی انتہا معلوم ہو کر جھجک کا نکل جانا جو کہ شرعاً عین مطلوب ہے۔ اگر مرتے وقت کسی کو ایسی حالت پیش آئے وہ طبعاً گھبرا جائے اور خدا جانے گھبراہٹ میں کیا سمجھ بیٹھے۔ اس کے بعد جو بسط ہوتا ہے وہ بھی بے نظیر ہوتا ہے۔

4۔ ایک اہل قبض کو تحریر فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ رحیم و حکیم ہیں جس ذوق و شوق اور سوز و گداز کو آپ کمال سمجھتے ہیں نہ وہ کمال ہے اور جس خشکی اور وسوسہ کو آپ نقصان سمجھتے ہیں نہ وہ نقصان ہے۔ اگر آپ کو وہ کیفیات حاصل ہوتیں تو ضرور عُجب پیدا ہوتا (چونکہ آپ ان کیفیات کو بڑی چیز سمجھتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے آپ کو عُجب سے بچایا جس پر شکر واجب ہے نہ کہ شکایت ایک اصول کی بات سمجھ لیجئے کہ جو کام اختیاری ہیں ان میں شریعت کے احکامات پر عمل کرتے جائیں پھر احوال خواہ کچھ ہی ہوں ان کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ (کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں) کام کرتے جائیں۔ آپ محروم نہیں ہیں ایک وقت میں یہ امر تحقیقاً بھی معلوم ہو جائے گا اب تقلیداً مان لیجئے۔

5۔ ایک اور اہل قبض کے طویل خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے پورا خط پڑھا۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے یہ حالت قبض کہلاتی ہے۔ محققین نے قبض کو بسط سے ارفع کہا ہے کہ اس سے اخلاق رزیلہ (عجب و کبر) کا معالجہ زیادہ ہوتا ہے نہ یہ لا علاج ہے اور نہ یہ محرومی کی علامت ہے۔ تمام ذاکرین کو تقریباً یہ حالت پیش آتی ہے۔ پھر اس سے نجات بھی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد اور ترقی ہوتی ہے۔ غرض تسلی رکھیں اور ذکر و شغل تھوڑا تھوڑا شروع کریں اور اپنی رائے سے نہ بڑھائیں۔ مجھ کو معلومات کی اطلاع کرتے رہیں۔ اور میری تعلیم کے موافق عمل کریں، ان شاء اللہ روز بروز ترقی ہو گی۔

6۔ فرمایا کہ خطرات کی خاصیت بجلی کے تار کی سی ہے کہ اگر اس کو اپنی طرف کھینچنے کی نیت سے ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہے اور اگر ہٹانے کی نیت سے ہاتھ لگایا جائے تب بھی وہ لپٹتا ہی ہے۔ بس خیریت اسی میں ہے کہ اس کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے۔ اسی طرح خطرات و وساوس سے امن کی صورت یہی ہے کہ ان کی

طرف التفات ہی نہ کیا جائے۔

7۔ فرمایا کہ قلب کی مثال سڑک کی سی ہے جس پر امیر غریب شریف رذیل سب ہی چلتے ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ ایک دوسرے کو روکے۔ قلب کی ساخت ہی منجانب اللہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اس میں اچھے برے سبھی قسم کے خیالات آتے رہتے ہیں۔ کسی کو اس مطالبہ کا حق نہیں کہ میرے قلب میں اچھے ہی اچھے خیالات آیا کریں، برے خیالات بالکل نہ آویں۔ اگر بلا اختیار برے خیالات آتے ہیں تو کیا ڈر ہے۔ ہاں قصداً برے خیالات نہ لائے نہ قصداً ان کو باقی رکھے۔ اور پھر اطمینان وسکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے۔ خطرات منکرہ کی طرف توجہ ہی نہ دے۔

8۔ فرمایا کہ سالک یہ سمجھ کر پریشان ہوتا ہے کہ خطرات قلب کے اندر سے پیدا ہورہے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں۔ بلکہ شیطان باہر سے ان خطرات کو قلب میں ڈالتا ہے اگرچہ بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خطرات قلب کی تہہ میں گھسے ہوئے ہیں لیکن درحقیقت یہ بات نہیں ہوتی خطرات داخل قلب میں واقع نہیں ہوتے بلکہ حوالی قلب میں رہتے ہیں اور جو چیز داخل قلب میں معلوم ہوتی ہے وہ خطرات نہیں بلکہ ان کا اثر اور محض انعکاس ہوتا ہے کیونکہ داخل قلب میں واقع ہونے والی چیز تو صرف عقیدہ راسخہ ہوا کرتا ہے۔

9۔ شیطان اسی قلب میں وسوسے ڈالتا ہے جس میں ایمان ہوتا ہے جیسے چور اسی گھر میں نقب لگاتا ہے جس میں دولت ہوتی ہے لہٰذا خطرات پر بجائے مغموم ہونے کے عقلاً خوش ہونا چاہئے۔ کیونکہ شیطان کا قلب میں وسوسے ڈالنا قلب کے اندر دولت ایمان ہونے کی علامت ہے۔ جب سالک خوش ہوگا تو شیطان مایوس ہو کر وسوسے ڈالنا ہی چھوڑ دے گا کیونکہ مومن کا خوش ہونا بھلا اس کو کب گوارا ہے اس نے تو مغموم کرنے کے لئے وسوسے ڈالے تھے جب وہ اس کو خطرات سے خوش ہوتا دیکھے گا تو پھر خطرات ڈالنا ہی چھوڑ دے گا۔ علاوہ ازیں خطرات پر عقلاً خوش ہونے سے قلب میں قوت پیدا ہوگی اور یہ قوت بھی خود مددگار ہوجائے گی دفع خطرات میں اور جب خطرات دفع ہوجائیں گے تو پھر طبعی غم بھی جاتا رہے گا۔ اس طرح عقلی مسرت طبعی مسرت کا بھی سبب ہوجائے گی۔ خطرات پر مغموم ہونے سے قلب میں سخت ضعف لاحق ہوجاتا ہے جس سے خطرات کا اور زیادہ ہجوم ہوتا ہے اور سخت اذیت پہنچتی ہے۔

10۔ فرمایا کہ خطرات کو دفع کرنے کے ہرگز درپے نہ ہونا چاہئے ورنہ وہ اور زیادہ ہجوم کرنے لگتے ہیں۔ شیطان کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ جتنا اس سے ڈر کر بھاگا جائے اتنا ہی وہ اور زیادہ بھونکتا اور پیچھا کرتا ہے اور اگر اس کی طرف توجہ ہی نہ کی جائے نہ ڈرا جائے نہ بھاگا جائے تو آپ ہی خاموش ہوکر واپس چلا جاتا ہے لہٰذا خطرات کا بہترین علاج یہی ہے کہ ان کی طرف توجہ ہی نہ دی جائے اور غور وخوض تو ہرگز ہرگز نہ کیا جائے۔ کیونکہ خطرات کے اندر بس غور وخوض کرنا ہی غضب ہے۔ اس سے بجائے شفا ہونے کے اور زیادہ پریشانی بڑھتی ہے اور خطرات کا بہت زیادہ ہجوم ہونے لگتا ہے۔

حرف آخر:

پچھلے صفحات میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ صوفیائے متقدمین اور صوفیائے متاخرین کے ادوار میں سلوک کا حصول کتنا مشکل تھا۔ شیخ المکرم اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ گزشتہ وقتوں میں بڑی بڑی ہستیوں نے اپنی پوری زندگی میں دو یا تین بندوں سے زیادہ کسی کو محرم راز نہیں بنایا۔ حضرت نے مزید فرمایا کہ ان کی معلومات کے مطابق سب سے زیادہ سالکین کی تربیت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ ان کا اصول یہ تھا کہ صرف اس شخص کی روحانی تربیت فرماتے جو عالم دین ہوتا۔ اس طرح انہوں نے آٹھ یا دس بندوں کی روحانی تربیت کی۔ مولانا احمد علی لاہوری (جو پاکستان بننے کے کئی سال بعد تک حیات تھے) نے یہ شرط رکھی ہوئی تھی کہ جو سلوک حاصل کرنا چاہتا ہے لگاتار چار سال میرے پاس رہے اس عرصے کے لئے اہل خانہ کے نان ونفقہ کا بندوبست کر کے آئے۔ شیخ المکرم فرمایا کرتے ہیں کہ ان کی معلومات کے مطابق کوئی شخص

یہ شرط پوری نہ کر سکا۔ اس لئے وہ کسی کی روحانی تربیت نہ کر سکے۔

حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد طریقت نے سب مجاہدات ختم کر دیئے ہیں اور اب قبض شدید والے پریشان کن حالات بھی پیدا نہیں ہوتے۔ جن کا پچھلے صفحات میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ الحمدللہ اب سلسلۂ عالیہ میں سب مسالک کے لوگ (شیعہ، سنی، اہل حدیث، بریلوی) سلوک کی نعمت حاصل کرنے کے لیے شامل ہو رہے ہیں جس سے ان کے عقائد کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے اور سلوک کی نعمت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ غیر مسلموں کو بھی ذکر کا طریقہ بتا دیا جاتا ہے اور کئی غیر مسلموں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ تاریخ تصوف میں صرف ایک عورت یعنی رابعہ بصریؒ کا ذکر ملتا ہے۔ سلسلۂ عالیہ میں درجنوں عورتیں فنافی الرسول ﷺ کی نعمت سے سرفراز ہو چکی ہیں۔ اتنی آسانیوں کے بعد بھی اگر کوئی اس نعمت سے محروم رہ جائے تو یہ اس کی اپنی سستی یا نعمت کی ناقدری کی وجہ سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخری سانس تک ذکر کی توفیق دے۔ آمین۔

علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج اقبال کے شاہینوں کا مسکن راولپنڈی بورڈ اور
پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق مسلسل دس سال راولپنڈی بورڈ سے
پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

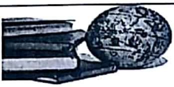

صقارہ
سائنس کالج
ہاسٹل کی سہولت موجود ہے
داخلہ جاری ہے
پری کیڈٹ تا ایف ایس سی
(پری میڈیکل، پری انجینئرنگ)
داخلہ ایف ایس سی پارٹ 1
پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت
طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ
چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک
قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام
ہاسٹل کی سہولت بہترین موسم
(صحت افزاء مقام)

شاندار مستقبل کیلئے نادر موقع

پرنسپل حاجی محمد خان ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم ایڈ (ریٹائرڈ ڈائریکٹو آفیسر محکمہ تعلیم گورنمنٹ آف پنجاب)
مزید معلومات کیلئے براہ راست رابطہ کریں
صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ فون نمبر: 0543-562222, 562200
For Feed Back: siqariah@siqarahedu.com, principal@siqarahedu.com
viceprincipal@siqarahedu.com Visit at: www.siqarahedu.com

المرشد سے انتخاب

صرف میلاد پر جلسے ہوتے ہیں بعثت پر کیوں نہیں ہوتے؟

حیرت اس بات پہ ہوتی ہے کہ ساری قوم میلاد مناتی ہے بعثت کوئی نہیں مناتا نہ کبھی بعثت کی تاریخ کا کوئی پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی کس تاریخ کو آئی تھی۔ نہ کبھی اس پر کوئی جلسہ ہوتا ہے نہ اس پر کوئی رسالہ لکھتا ہے۔ آخر کیوں؟ شاید اس لئے کہ بعثت کا تذکرہ ہوگا تو ایمان لانا پڑے گا۔ بعثت کا تذکرہ ہوگا تو حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ بعثت کا تذکرہ ہوگا تو آپ ﷺ کی غلامی کرنی پڑے گی۔ بعثت کا تذکرہ ہوگا تو دل سے بت خانہ ہٹانا پڑے گا۔ خواہشوں کے بت، جھوٹی انا کے بت، تکبر وغرور کے بت، لالچ وہوس کے بت، یہ سارے دل سے نکالنے ہوں گے اور ان سب کی جگہ ایک اللہ کی حکومت قائم کرنا ہوگی۔

امیر محمد اکرم اعوان المرشد اکتوبر 1989ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا

(آل عمران:164)

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا
عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

ربیع الاول کا مبارک مہینہ ہے اور الحمد للہ جب بھی سال کا یہ مہینہ آتا ہے تو ملک بھر میں ہر شہر، ہر قریے، ہر گاؤں، ہر مسجد اور تقریباً ہر ادارے میں نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے تذکرے ہوتے ہیں۔ ان برکات کو بیان کیا جاتا ہے جو حضور اکرم ﷺ کی ولادت کے طفیل انسانیت کو نصیب ہوئیں اور کثرت سے درود وسلام پڑھا جاتا ہے اور ہونا بھی چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کی ذات پوری انسانیت کے لئے وہ شرف اور وہ عزت لائی جس نے انسانیت کا مقصد تخلیق پورا کر دیا اور ساری مخلوق کے لئے اللہ کی رحمت مجسم ہو کر آقائے نامدار ﷺ کی صورت پاک میں ڈھل گئی تو بے شک اتنی عظیم ہستی کی ولادت کا تذکرہ صرف اسی مہینے یا کسی خاص دن کا محتاج نہیں بلکہ زندگی کے ہر سانس اور طلوع ہونے والے ہر دن چھا جانے والی ہر رات اور مومن کے ہر نفس اور ہر لمحے کو اس سے روشن اور منور رہنا چاہئے۔

لیکن اب بات یاد رہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے دو حصے ہیں ایک حصہ چالیس سالہ عمر مبارک کا وہ ہے جو بعثت سے پہلے ہے اور وہ بھی آپ ﷺ کی مبارک زندگی ہے اتنی روشن اتنی منور اتنی شفاف کہ جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ کی نبوت کے جہاں اور بے شمار دلائل ارشاد فرمائے گئے وہاں رب جلیل نے آپ کی اسی چالیس سالہ زندگی کو بھی آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل کے طور پر ارشاد فرمایا۔

لیکن باایں ہمہ جتنی برکات کا تعلق آپ کی ولادت سے ہے وہ خلق خدا کے لئے عموماً ہیں۔ کسی ایک قوم، کسی ایک معاشرے، کسی

ایک طبقے کے لئے مختص نہیں ہیں بلکہ اللہ کی ساری مخلوق ان سے مستفید ہوتی ہے۔ کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں تو جو تکوینی طور پر برکات اللہ کی طرف سے مخلوق کو پہنچتی ہیں خواہ وہ آسمانوں میں رہتی ہو زمینوں میں رہتی ہو، خشکی پر رہتی ہو یا سمندروں میں، ہواؤں کی باسی ہو یا جنگلوں اور صحراؤں کی' انسان ہو یا جن یا فرشتے سب تک پہنچتی ہیں۔ شجر و حجر گھاس کے تنکے سے لے کر باغ میں کھلے ہوئے پھول کی پنکھڑی تک اس کی رحمت عامہ سے سیراب ہوتے ہیں۔

لیکن جب آپ ﷺ مبعوث ہوتے ہیں تو صورتحال بدل جاتی ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش پر زمین ہمیشہ کی یا یکبارگی تباہی سے اللہ نے ممنوع قرار دے دی کہ جس طرح پہلی قومیں غرق ہوتی ہیں حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد وہ عذاب ختم ہو گیا۔ پہلے خطاؤں پہ لوگوں کے چہرے مسخ ہو جاتے تھے، انسانوں کو بندر بنا کر ہلاک کر دیا انسانوں کو خنزیر بنا کر ہلاک کر دیا گیا۔

وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ

اللہ کریم خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی بداعمالیوں کے سبب کسی کو بندر بنا دیا کسی کو خنزیر بنا دیا اور اسی طرح ذلیل و رسوا ہو کر تباہ ہو گئے لیکن آپ ﷺ کی ولادت کے بعد قوموں پر سے یہ عذاب اٹھ گیا۔ انسانی شکل کا مسخ عمومی سطح پر قومی سطح پر کبھی نہیں ہوا۔ اسی طرح قومیں جس طرح طوفان نوحؑ میں پورے روئے زمین کی آبادی تہ آب چلی گئی۔ اس طرح کا اجتماعی عذاب اٹھ گیا۔ بے شمار یہ برکات ہیں جو ساری مخلوق حاصل کر رہی ہے۔ لیکن بعثت اتنا بڑا انقلاب تھا آپ ﷺ کا بحیثیت خاتم النبیین مبعوث ہونا اور وحی الٰہی کا شروع ہونا اتنا بڑا انقلاب تھا کہ رب جلیل نے اسے بطور خاص ذکر فرمایا قرآن حکیم نے جب آپ ﷺ کی ذات عالی صفات کی عظمت بیان کرنا چاہی تو رب جلیل کے احسانات تو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ اتنے ہیں کہ عدم سے وجود بخشا، انسان بنایا' وہی خالق ہے جس نے جانور بنائے ہیں، پرندے بنائے ہیں، حیوانات بنائے ہیں، نباتات بنائے ہیں، درخت، گھاس کے تنکے، پتھر بنائے ہیں۔ اسی نے اس ساری مخلوق میں جسے انسان بنایا اس پر کتنی بڑی شفقت فرمائی کہ وہ تو موجود ہی نہیں تھا وہ جو چاہتا اسے بنا دیتا۔ پھر انسانوں میں اس نے بے شمار خوبیاں، بے شمار نعمتیں، بے شمار اوصاف رکھے، عقل عطا کی، حواس خمسہ عطا فرمائے، دیکھنے، بولنے، سونگھنے کی قوتیں عطا فرمائیں اور وہ علوم عطا فرمائے کہ انسان زمین اور جوے ساوی کو تسخیر کرنے کے ارادے لئے پھرتا ہے، روشنیوں اور تاریکیوں پر راج کر رہا ہے۔ ہواؤں، فضاؤں، سمندروں پر سفر کرتا ہے اور اتنی نعمتیں بے دریغ استعمال کرتا ہے کہ جو کسی شمار میں نہیں آسکتیں۔ یہ سارے اس کے کتنے بڑے احسانات تھے لیکن ان سب کو چھوڑ کر جب اس نے شمار فرمایا، اس نے فرمایا کہ میں نے ایمان والوں پر بہت ہی بڑا احسان کیا ہے اتنا بڑا کہ جس کی عظمت کو تم اپنی عقل اور علم کی حدود میں بند نہیں کر سکتے۔ اتنا بڑا احسان جو اللہ ہی کر سکتا ہے۔ اتنا بڑا احسان کہ جس کی عارضی نسبت بھی تم کسی طرح نہیں کر سکتے۔ بیماری سے صحت ملتی ہے تو ہم عارضی طور پر ڈاکٹر کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، معالج کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ بھوک سے پیٹ بھرتا ہے تو کھانے کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، عہدے اور ملازمت ملتی ہے تو کسی سفارش کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ اگرچہ سب کچھ دینے والا تو رب العالمین ہی ہے پھر بھی اسباب کا ایک اتنا گہرا دبیز پردہ ہے کہ ہر کام ہم کسی سبب کے سپرد کرتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن بعثت رسالت۔ نبی ﷺ کو مبعوث کرنا اتنا بڑا احسان ہے رب العالمین کا کہ انسان اگر چاہے بھی تو اللہ کے سوا کسی طرف اسے منسوب ہی نہیں کر سکتا۔ اتنا بڑا کام ہے کہ اللہ کی ذات بابرکات کے علاوہ کوئی دوسرا یہ کر سکتا ہی نہیں، کسی طرف عارضی طور پر نسبت

بھی نہیں کی جاتی۔

تو حیرت اس بات پہ ہوتی ہے کہ جس بات کو اللہ کریم بہت بڑا احسان گردانتے ہیں اور جس واقعہ کو اللہ کریم انسانیت کی تاریخ میں انقلاب کی بنیاد بنا دیتے ہیں۔ جس واقعے سے اتنا بڑا انقلاب آیا کہ زمین پر بسنے والے انسانوں تک اللہ کا ذاتی کلام پہنچا اور لوگوں نے جو سوال بارگاہ نبوت ﷺ میں پیش کیے ان کا جواب اللہ کریم کی طرف سے انہیں موصول ہوا۔ اتنا بڑا انقلاب کہ جس نے انسانی تاریخ میں وہ تبدیلیاں کیں جو نہ اس سے پہلے دیکھنے میں آئیں نہ اس کے بعد کوئی ان کی امید کر سکتا ہے۔ اتنا بڑا انقلاب کہ روئے زمین پر ساری انسانیت تباہ حال تھی، ظلم و جور میں پس رہی تھی، چیخ رہی تھی، بلبلا رہی تھی۔ یہ آپ کا برصغیر جو ہے اس میں اتنی انسانی آبادی نہیں تھی جتنے بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ جب نبی رحمت ﷺ مبعوث ہوئے تو اس زمانے کی تاریخ کے مطابق برصغیر پاک و ہند میں تینتیس کروڑ بت پوجے جاتے تھے۔ اس زمانے میں انسانی آبادی برصغیر میں تینتیس کروڑ نہیں تھی لیکن بت جن کی پوجا ہوتی تھی وہ تینتیس کروڑ تھے۔ یہی حال شمالی ایشیائی اقوام کا تھا خواہ وہ چین ہو یا وسط ایشیاء یا سائبیریا ہو یا روس کسی کو کھانے پینے میں پاک ناپاک، حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تمیز نہیں تھی بلکہ وحشت و بربریت ایسی تھی کہ جو چاہتا جس کو چاہتا لوٹ لیتا۔ وسط ایشیائی اقوام جو ہیں یہ تو اتنے گئے گزرے لوگ تھے کہ زندہ جانوروں کا گوشت کاٹ کر کھا جاتے تھے جانور کو مارتے تک نہیں تھے۔ ایک ٹانگ کاٹ لی، ایک بازو کاٹ لیا، گوشت کاٹ لیا اور وہ کھا گئے۔ جانور تڑپتا پھرتا تھا وہ کہتے دوسرا حصہ کل کاٹیں گے۔ ہر طاقتور کمزور کو لوٹ لیتا، بیویاں چھین لیتے، بچے چھین لیتے، غلام بنا لیتے، مال لوٹ لیتے۔

ایران بہت بڑی ریاست تھی لیکن آگ کی پوجا ہوتی تھی، ظلم و جور تھا، تباہی تھی، بربادی تھی اور شاہی خاندان کے بیشتر جو حکمران گزرے ہیں کسی نے اپنی بھانجی سے شادی کر رکھی تھی کسی نے اپنی بہن سے، کسی نے اپنی بیٹی سے، بیٹی تک سے ان کی شادیاں ثابت ہیں تو انصاف، شرافت اور انسانیت کہاں تھی۔

رومن ایمپائر کی باتیں تو آپ پڑھتے سنتے رہتے ہیں۔ بھوکے درندوں کے سامنے انسانوں کو چھوڑ کر تماشا دیکھا جاتا تھا۔ یہ یورپ اور یہ مغربی اقوام جن کے جیسا بننے کی آج کل ہر شخص کو آرزو ہے انہیں Cave Man کہا جاتا تھا، غاروں میں رہنے والے لوگ۔ انہیں مکان بنانا نہیں آتا تھا، یہ وحشی اور درندے تھے آج بھی ویسے ہی ہیں آج ذرا کچھ الفاظ لکھ پڑھ گئے ہیں اور آج کل سائنٹفک طریقے سے درندگی کرتے ہیں۔ آج کل اس پر الفاظ کا لبادہ اوڑھ کر کرتے ہیں۔ آج کل بھی کرتے وہی وحشت و بربریت و درندگی ہی ہیں لیکن اس پر تہذیب کا ایک روغن پینٹ کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ آپ افریقہ کی طرف جائیں تو وہاں تو انسان انسانوں کا گوشت کھاتا تھا، یعنی روئے زمین پر وہ تباہی، وہ ظلم، وہ بربریت تھی کہ ایسا ظالمانہ معاشرہ اس سے پہلے کبھی تاریخ انسانی میں نظر نہیں آتا اور نہ اس کے بعد آج تک پھر ایسا ظلم و جور بیک وقت ساری روئے زمین پر پھیلا۔ اس پورے روئے زمین پر اللہ کا نام بتانے والا کوئی ایک انسان نہیں ملتا تھا کہ آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اور بعثت آقائے نامدار ﷺ نے انسانی دلوں کو تجلیات باری کی آماجگاہ بنا دیا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ فروغ سینا جن انوارات کی ایک جھلک برداشت نہ کر سکا اور بڑی بڑی سنگلاخ چٹانیں چیخ چیخ کر، جل کر سرمہ بن گئیں انہیں اللہ کے بندوں کے قلوب کا اوڑھنا بچھونا بنا دیا۔

یعنی وہ مقدس وادی جسے اللہ کریم نے مقدس فرمایا۔ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (طٰہٰ: 12) وہ مقدس وادی جسے رب

العالمین مقدس کہتے ہیں اس میں کھڑا ہوا سر بفلک پہاڑ تجلیات باری کا ایک شمہ برداشت نہ کر سکا۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا (الاعراف:143)۔ پرخچے اڑا دیئے تجلیات باری نے۔ ان تجلیات کو ایمان لانے والے بندوں کے قلوب میں یوں سمو دیا کہ وہ ان کی غذا بن گئی۔ دوا بن گئی، حیات بن گئی اور ان کا کوئی لمحہ ان تجلیات کے بغیر بسر نہیں ہوتا تھا، کتنی عجیب بات ہے!

اور ایک اتنا بڑا انقلاب کہ جب ایسے لوگ اٹھے جن کے سینوں میں وہ بجلیاں تڑپتی تھیں تو کفر اور باطل اور ظلم و جور پر ایک لرزہ ایک کپکپی طاری ہوگئی۔ چند نفوس قدسی جو نور ایمان سے مشرف ہوئے وہ اس روشنی کو لے کر یوں پھیل گئے جیسے باد سحر پھولوں سے خوشبو لے کر پھیل جاتی ہے اور آج تک کوئی انسان اس بات کا تجزیہ نہیں کر سکا کہ روئے زمین پر پھیلے ہوئے اتنے بڑے ظلم کے ان سنگلاخ ہاتھوں کو ان چند بادیہ نشینوں نے چند برسوں میں توڑ مروڑ کر اپاہج کیسے کر دیا اور دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بتوں کی خدائی کو تباہ کر دیا۔ ظالموں کے ظلم مٹا دیئے اور بڑے بڑے متکبر فرعونوں کے سر کے تاج توڑ کر غریبوں میں بانٹ دیئے اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک روئے زمین پر امن، انصاف، عدل اور بندوں کا رب العالمین سے ایسا تعلق قائم ہوا کہ آج بھی جو چاہے حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور اپنی مناجات براہ راست رب العالمین سے گزارش کرے۔ کوئی معمولی بات ہے!

حیرت اس بات پہ ہوتی ہے کہ ساری قوم میلاد مناتی ہے بعثت کوئی نہیں مناتا نہ کبھی بعثت کی تاریخ کا کوئی پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر پہلی وحی کس تاریخ کو آئی تھی۔ نہ کبھی اس پر کوئی جلسہ ہوتا ہے نہ اس پر کوئی رسالہ لکھتا ہے۔ آخر کیوں؟ شاید اس لئے کہ بعثت کا تذکرہ ہوگا تو ایمان لانا پڑے گا۔ بعثت کا تذکرہ ہوگا تو حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ بعثت کا تذکرہ ہوگا تو آپ ﷺ کی غلامی کرنی پڑے گی۔ بعثت کا تذکرہ ہوگا تو دل سے بت خانہ ہٹانا پڑے گا۔ خواہشوں کے بت، جھوٹی انا کے بت، تکبر و غرور کے بت، لالچ و ہوس کے بت، یہ سارے دل سے نکالنے ہوں گے اور ان سب کی جگہ ایک اللہ کی حکومت قائم کرنا ہوگی۔

لیکن ولادت باسعادت کا تذکرہ ہوگا تو وہاں کافر و مومن کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ آپ کی ولادت کے ساتھ دعوت ایمانی نہیں ہے۔ آپ کی ولادت کے ساتھ دلوں کو صاف کرنے کی ضرورت نہیں وہ عمومی برکات ہیں جو مومنوں کو بھی نصیب ہو رہی ہیں، کافروں کو بھی نصیب ہو رہی ہے۔ بارشیں برستی ہیں، سورج چمکتا ہے، رات دن آتے ہیں، موسم بدلتے ہیں، اولادیں ہوتی ہیں، گھر بنتے ہیں یہ ساری نعمتیں تو بٹ ہی رہی ہیں ان کے لئے تو ایمان کی بھی ضرورت نہیں۔

ایمان نصیب ہوتا ہے تو یہ مشت غبار جو ہے انسانی وجود، یہ ذاتِ باری کا طالب بن جاتا ہے۔ یہ دو عالم کو ٹھکرا سکتا ہے۔ ایمان ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟ ایمان ہم سے مانگتا کیا ہے؟ ہمارے پاس ہے کیا جو ہمیں دینا ہوتا ہے؟ وہ ہماری پسند ہے نا! کہ اپنی پسند چھوڑ دو، اپنی پسند بیچ دو، اپنا ارادہ دے دو، تو ہمارا ارادہ کیا ہے؟ ہمارا علم ناقص، ہمارے ارادے کمزور، ہماری پسند کم ظرفی ہے، ہم تو پیتل کو سونے کے بھاؤ خرید لیتے ہیں۔ ہمیں دینے والا کہتا ہے یہ سونا ہے، ہم کہتے ہیں سونا ہے، بیچنے جاتے ہیں وہ کہتے ہیں پیتل ہے، ہم کہتے ہیں، پیتل ہوگا۔ ہم میں تو اتنی تمیز نہیں۔ ہم روزمرہ جو کپڑا خریدتے ہیں اس میں ہم سے دھوکا ہوتا ہے، ہم روزمرہ کھانے کی چیزیں خریدتے ہیں اس میں لوگ ہم سے دھوکہ کر لیتے ہیں۔ جو دیکھ کر خرید رہے ہیں، ہمیں اس کی سمجھ نہیں ہوتی، ہماری پسند کی قیمت کیا ہے؟ ہم کیا پسند کرتے ہیں؟ یہ جھوٹی یہ فضول اور بے قیمت پسند دے کر بارگاہ نبوت ﷺ سے ہمیں ملتا کیا ہے؟ اللہ کی پسند...... کتنی عجیب بات ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ ایسا سودا نہیں فرما رہے جس میں ہمیں کوئی نقصان ہو، ہم سے جو لے رہے ہیں وہ ہماری پسند ہے جو ناقص بھی ہے، کمزور بھی ہے، فضول بھی ہے اور ہر طرح کے عیوب ہیں اس میں۔ اور ہم جب وہ دے دیتے

ہیں اپنی پسند، تو وہاں سے ہمیں ملتی ہے اللہ کی پسند، کہ سونا ہے تو اللہ کی پسند کے مطابق، جاگنا ہے تو اللہ کی پسند کے مطابق، کام کرنا ہے تو اللہ کی پسند کے مطابق، دوستی دشمنی ہے تو اللہ کی پسند کے مطابق، کاروبار کرنا ہے تو اس کی پسند کے مطابق۔ کتنی بڑی بات ہے کہ ایک آدمی جسے کوئی محلے میں، گلی میں، گھر میں، اہمیت نہ دیتا ہو اسے اتنی اہمیت مل جائے کہ اس کا ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق ہو یہ کتنی عجیب بات ہے!

لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم اس طرف پھر بھی نہیں جاتے۔ ہم بات تک کرنا پسند نہیں کرتے اس موضوع پر۔ جلسہ تک نہیں کرتے، ہم اس دن کوئی چھٹی نہیں کرتے، ہم اس دن کوئی جلوس نہیں نکالتے، کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔ آپ نے پورے ملک میں کبھی سنا کہ آج بعثت رسول ﷺ کا جلسہ ہو رہا ہے۔ کوئی نہیں کرتا اس لئے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی پسند نہ چھوڑیں، اپنی خواہشات نہ چھوڑیں، ہمیں ماننا کچھ نہ پڑے اور یہی وہ بہت بڑا نقصان ہے جس کا ہمیں احساس نہیں ہو رہا ہے۔ ایک بات اور جو دوسری بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ولادت باسعادت کے جلسوں جلوسوں میں بھی کم از کم اگر ہم اپنی پسند کہیں بھی نہیں چھوڑتے تو جب تذکرہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کا ہے تو اس میں تو کوئی ایسا کام نہیں کیا جانا چاہئے جو کام حضور اکرم ﷺ کو پسند نہ ہو۔ کم از کم اتنی شرافت، کم از کم اتنی انسانیت، کم از کم اتنا اخلاق تو ہم میں باقی ہونا چاہئے کہ جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے لئے جلسہ کر رہے ہیں یا جمع ہوئے ہیں یا ذکر کر رہے ہیں تو اس میں تو ہم ایسے رواج، ایسی رسومات اور ایسے کام نہ کریں جو آپ ﷺ کی تعلیمات کے مطابق نہ ہوں۔ یا آپ کے احکامات کے مطابق ہوں یا آپ ﷺ کی پسند کے خلاف نہ ہوں اور اگر ایسے امور کو درمیان سے نکال دو تو ملک کے ننانوے فیصد جلسے ختم ہو جائیں گے۔ لوگ نام ولادت رسول ﷺ کا لیتے ہیں اور عیش خود کرتے ہیں۔ پسند اپنی پہ کام کرتے ہیں، رسومات اپنی نبھاتے ہیں، کوئی چندہ کر کے کھانے کے لئے کرتا ہے، کوئی محض گانے سننے کے شوق میں، کوئی ناچنے کا شوق پورا کرتا ہے، کوئی ڈھول بجانے کا، اور یہ یاد رکھ لو بہت بابرکت ہے رسول اللہ ﷺ کا ذکر خواہ آپ کی ولادت کا ہو، خواہ آپ کی بعثت کا ہو، خواہ محض آپ کے نام نامی کا ہو کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام اور درود پڑھنے کا حکم دیا ہے رب جلیل نے، بغیر کسی وقت کی قید کے مسلسل پڑھتے رہا کرو۔ اور پتہ ہے درود کو درود کہتے کیوں ہیں؟ وہاں تو صلوٰۃ وسلام ہے اس کا نام درود کیوں رکھتے ہیں؟ یہ عربی کا لفظ ہے "دَرَّ یَدُرُّ" سے اس کا مطلب ہوتا ہے ایسا کام جو مسلسل کیا جاتا رہے اور جس میں کوئی انقطاع نہ آئے۔ اسے درود کہتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام کو درود کہا ہی اسی لئے جاتا ہے کہ اس میں کبھی ترٹوٹ (انقطاع) نہیں آنی چاہئے کہ آدمی مسلسل پڑھتا ہی رہے لیکن ایک بات یاد رکھئیے! جب آپ، آپ ﷺ کا ذکرِ خیر کر رہے ہیں تو کم از کم آپ ﷺ کی پسند کے مطابق کریں اپنی پسند وہاں نافذ نہ کریں۔ حق تو یہ ہے کہ مومن نام ہے اپنے آپ کو بیچ دینے کا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبة: 111) اللہ نے جنت دے کر مومنوں سے ان کی جان بھی خرید لی ہے اور مال بھی خرید لیا ہے مومن کا نہ مال اپنا ہے نہ جان اپنی۔ جب اس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کہا تو یہ بک گیا اب اس کا اپنا کچھ نہیں ہے۔ اس کے پاس جان ہے وہ بھی اللہ کی امانت ہے، مال ہے وہ بھی اللہ کی امانت ہے، جس طرح رب چاہے اور جہاں وہ حکم دے اسی طرح سے خرچ کرے۔ لیکن اس میں ہم ڈنڈی مار جاتے ہیں تو کم از کم جب ذکر رسول اللہ ﷺ ہو رہا ہو، آپ کی میلاد کا آپ کی ولادت کا جلسہ ہے تو اس میں تو خرافات نہیں ہونی چاہئیں وہی کام ہونے چاہئیں جو نبی رحمت ﷺ کو پسند ہوں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہوں۔

اللہ کریم ہم سب کو بھی اور عامۃ المسلمین سب کو بھی دین کی سمجھ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

من الظلمات الی النور

ظہیر الدین
انڈیا

میرا تعلق تامل ناڈو سے ہے جو ہندوستان کے ساحل مالابار پر واقع ایک صوبہ ہے۔ ہندوستان میں اسلام سب سے پہلے اس علاقے میں ہی آیا جب حضور اکرم ﷺ کی بعثت عالی کے بعد معجزۂ شق القمر دیکھ کر ایک راجہ صاحب نے اسلام قبول کیا اور کچھ صحابہ کرامؓ یہاں تشریف لائے اور مقیم ہوئے۔

سلسلہ عالیہ سے واقفیت:

میرے والد کا اچھا کاروبار تھا اس لئے میری اسکول کی تعلیم بھی نسبتاً اچھی ہوئی۔ میری والدہ تہجد کی پابند تھیں اور نیک خاتون تھیں۔ گھر کی تربیت سے میرے دل میں آخرت کا یقین تو پیدا ہو گیا تھا لیکن میں عملی مسلمان نہیں تھا۔ ڈینٹل سرجری Dental Surgery کی تعلیم کے دوسرے سال کے دوران میں نے شیخ الہند محمد مالک صاحب جو حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کے صاحب مجاز ہیں اور ہندوستان میں انہیں بیعت کرنے کی بھی اجازت ہے، کی ترجمہ شدہ ایک کتاب پڑھی۔ یہ کتاب اتنی دلکش تھی کہ میں تقریباً 400 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے شیخ الہند سے ملاقات کے شوق میں چنائے (مدراس) پہنچ گیا۔ میں ان سے ملا اور ایک گھنٹہ ان کی صحبت میں رہا۔ انہوں نے مجھے ذکر کا طریقہ بتایا اور فرمایا کہ آپ اکیلے ذکر کیا کریں۔ اس کے اثرات آپ خود محسوس کریں گے اور آپ کو کسی کو بتانے یا پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔ ملاقات کے فوراً بعد میں واپس آ گیا۔

ذکر اللہ کی برکات:

ہم چار پانچ آدمی ساتھ رہتے تھے۔ میں فجر کے بعد مکان کی چھت پر ذکر کرتا تھا۔ صرف بیس (20) دن ہی گزرے تھے کہ میں نے ایک خواب دیکھا جس میں دو صحابہ کرامؓ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ ان میں سے ایک حضرت عمر بن الخطابؓ تھے۔ آپؓ نے اور دوسرے صحابیؓ نے ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے دو فرشتے بھی ہتھیار بند کھڑے تھے۔ پیچھے ایک ادھ کھلے دروازے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آواز آ رہی تھی جس میں وہ فرما رہے تھے "عمر! تم بھی"۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ذکر صحیح ہے۔

اس سے پہلے میں ایک شیخ سے منسلک تھا جو مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور چشتیہ سلسلے سے وابستہ تھے۔ ان کا ایک دینی مدرسہ بھی تھا۔ انہوں نے مجھے کچھ تسبیحات بتائیں لیکن میں وہ تسبیحات بھی باقاعدگی سے نہیں کر سکا۔ میں نے اپنے ان شیخ کو اکیلے میں ذکر خفی کرتے ہوئے دیکھا تھا جبکہ ان کے مرید صرف ذکر جہری کرتے تھے۔

ذکر خفی سیکھنے کے بعد بھی میں نے اپنا تعلق پرانے شیخ سے قائم رکھا۔ میں نے سوچا کہ میں ذکر خفی کے بارے میں اجازت لے لوں گا چنانچہ میں نے ان کو ذکر خفی کے بارے میں اور اپنے خواب کے بارے میں بتایا لیکن انہوں نے میری باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی اور مجھے تسبیحات کرنے کو کہا۔ کیونکہ یہی ان کا طریقہ تھا۔ میں نے اپنے

سابقہ شیخ کے بیٹوں کو بھی جو بڑے عالم تھے، ذکر جہری کرتے ہوئے دیکھا۔ بعد میں میرے سوال پر انہوں نے بتایا کہ ہمارا طریقہ یہی ہے۔ پہلے تسبیحات پھر ذکر جہری پھر ذکر خفی۔ چنانچہ میں نے ذکر خفی چھوڑ دیا اور تسبیحات شروع کر دیں۔ اگرچہ میرا مقصد یہی رہا کہ میں جلد از جلد ذکر خفی تک پہنچ جاؤں۔ لیکن میں تسبیحات بھی باقاعدگی کے ساتھ نہیں کر سکا۔ ڈینٹل سرجری Dental Surgery کی گریجویشن کے دوران میری کیفیت یہی رہی۔ گریجویشن کے بعد میں ماسٹر آف ڈینٹل سرجری کے لئے انڈیا کے ڈینٹل سرجری کے بہترین کالجوں میں سے ایک میں داخلہ لینے کے لئے چنائے (سابقہ نام مدراس) گیا۔ وہاں جا کر میں نے اپنے موجودہ شیخ محمد مالک صاحب سے رابطہ کیا۔ انہوں نے مجھے فوراً پہچان لیا۔ میں نے ان کو بتایا کہ میں اپنے پرانے شیخ سے منسلک ہوں اور میرے خیال میں اب میں دوسرے شیخ کا مرید نہیں ہو سکتا یا ان سے بیعت نہیں کر سکتا۔ انہوں نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ جس طرح ایک سکول کو چھوڑ کر اس سے اچھے سکول میں داخلہ لیتے ہیں اسی طرح آپ ایک شیخ سے سبق لینے کے بعد اگر کوئی اس سے بہتر شیخ مل جائے تو اس سے بھی فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے طریقے پر ذکر شروع کر دیا جس کے بعد مجھ پر فوری اور مثبت اثرات ہوئے۔ اللہ نے نہ صرف مجھے برائیوں سے بچا لیا بلکہ مختلف اشاروں کے ذریعے ذکر اللہ اور دین پر میرے یقین کو پختہ کر دیا جس نے مجھے اللہ کے راستے پر پختگی سے گامزن کر دیا۔ ذکر سے مجھے اللہ اور اللہ کے دین سے محبت ہو گئی۔ دین پر چلنا اب کوئی خارجی دباؤ سے نہیں بلکہ اب یہ میری ضرورت بن گیا تھا اور یہ میرے باطن کی تبدیلی کا نتیجہ تھا۔

اس دوران اللہ تعالیٰ نے خوابوں کے ذریعے میری مدد کی۔ میرے شیخ نے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر ذکر میں استقامت نصیب ہو جائے تو نبی کریم ﷺ سے گفتگو کی سعادت بھی نصیب ہو سکتی ہے۔ یہ سن کر میرے دل میں اشتیاق زیارت تیز ہو گیا۔ آخر ایک ہفتہ بعد مجھ سے رہا نہ گیا تو میں نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ کی زیارت ہو سکتی ہے؟ انہوں نے فرمایا آپ ذکر میں بیٹھیں۔ یہ میرے ماسٹر کے کورس کا دوسرا سال تھا اور میری اقربیت ہو چکی تھی۔ میں ذکر میں بیٹھا اور میرے شیخ نے مسجد نبوی کا مراقبہ شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر دربار نبوی کو منکشف کر دیا۔ میں نے آپ ﷺ اور چاروں خلفاء کی زیارت کی۔ آپ ﷺ جس تخت پر جلوہ افروز تھے وہاں سے سبز رنگ کے انوارات چہار سو بکھر رہے تھے۔ میں نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے شیخ کو بتایا۔ میں نے اس وقت تک داڑھی نہیں رکھی ہوئی تھی اور سمجھتا تھا کہ شاید اس سے میری تعلیم پر اثر پڑے گا۔ کورس کے مکمل کرنے تک میں نے ہلکی ہلکی داڑھی رکھ لی جس کو میں کٹوا تا رہتا تھا۔ ایک دفعہ میں دس دن کے اجتماع میں گیا۔ میں جب شیخ کے پاس جانے لگا تو انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ میرے داڑھی کٹوانے کی وجہ سے ہے۔ پھر میرے اندر کشمکش شروع ہو گئی۔ دسویں دن میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو جائے میں داڑھی رکھوں گا۔ تب میرے شیخ نے مجھ پر توجہ کی اور میری بات سنی۔

2007ء میں مجھے مدینہ منورہ میں ملازمت ملی۔ یہ میرے لئے ایک نعمت تھی۔ یہ بھی عجیب طریقے سے ملی۔ پورے انڈیا میں مجھے ہی صرف منتخب کیا گیا حالانکہ بہت سے دوسرے امیدوار اور مجھ سے زیادہ تجربہ کار موجود تھے۔ میں نے چھ ماہ قبل انٹرویو دیا تو وہ کسی اور شہر غالباً ریاض کے لئے تھا لیکن 2007ء میں جب میں پاکستان آنے لگا تو دہلی میں مجھے فون آیا کہ کیا آپ مدینہ منورہ میں ملازمت کرنا پسند کریں گے۔ میں نے اپنے شیخ محمد مالک صاحب سے مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا ضرور جاؤ چنانچہ میں واپس اپنے گھر گیا

اور تیار ہو کر ایک ہفتے میں مدینہ پہنچ گیا۔ میرا ہسپتال مسجد نبوی ﷺ سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ الحمد للہ مسجد نبوی ﷺ میں مجھے پانچوں نمازیں اور تہجد نصیب ہوتی رہی۔

میں مسجد نبوی ہی میں ذکر کرتا رہا۔ دوران ذکر و مراقبہ مجھے آپ ﷺ کی زیارت اور عرض گزاشت کا شرف حاصل ہوا جس سے دنیا کی کسی بھی نعمت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک سال بعد سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کی جماعت ہندوستان سے پاکستان آرہی تھی۔ میں مدینہ منورہ سے دہلی اور پھر ساتھیوں کے ساتھ حضرت شیخ المکرم کی خدمت میں پاکستان حاضر ہوا۔ ایک سال کے بعد میرے والد کی وفات ہوگئی جس کی وجہ سے میں ہندوستان واپس آ گیا۔ میں آج کل ایک ہسپتال میں ملازمت کر رہا ہوں۔ اپنے قصبہ میں مختلف مساجد میں جا کر ذکر کے بارے جمعہ میں بیان کرتا رہتا ہوں اور ذکر کے بارے میں چارٹ چھپوا کر مسجدوں میں لگائے ہیں۔ اللہ میری کوششوں کو کامیاب کرے۔ آمین۔

مچھلی کے طِبّی فوائد

حکیم ابن سینا کا قول ہے کہ مچھلی کا گوشت اگر شہد کے ہمراہ کھایا جائے تو نزول الماء (آنکھوں میں پانی اترنا) کے لئے مفید اور نگاہ کو تیز کرتا ہے اس کا گوشت باہ میں اضافہ کرتا ہے۔ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تازہ مچھلی تازہ پیاز کے ساتھ کھائی جائے (پکا کر) تو قوتِ باہ میں اضافہ و برانگیختگی پیدا ہوتی ہے اگر گرما گرم کھائیں تو فائدہ دو چند ہوگا۔

اگر شرابی شخص مچھلی کو سونگھے تو نشہ اتر جائے۔ مچھلی کا پتہ پانی میں ملا کر پینا دل کے خفقان کو نافع ہے۔ بندہ کو ایک بوڑھے میاں جی سے حکیم اجمل خان صاحب کا نسخہ ملا تھا کہ پرسُوت والی عورت کا اگر کسی دوائی سے بھی بخار نہ اترے تو اس عورت کو روزانہ مچھلی پکا کر کھلائی جائے۔ میرے چچا جی نے بھی بتایا تھا بندہ نے کئی بار اس کا تجربہ کر کے درست پایا۔ دوسرا مچھلی کے نسخہ کا بھی میرے چچا میاں حکیم صاحب نے فرمایا کہ مچھلی کا گوشت جلا کر کوئلہ بنا لیں اور اس کو پیس کر رکھ لیں۔ جس کی کھانسی کسی دواء سے نہ جاتی ہو اس کو تین بار صبح، دوپہر اور رات کو یہ راکھ چٹا دیا کریں۔ بندہ نے کئی بار چھوٹے بڑے مریضوں کو دے کر دعائیں لی ہیں۔

حکیم و ڈاکٹر حاجی عباس علی۔ واہ کینٹ

انٹرنیشنل علماء فورم کے سوالات و جوابات

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

ویسٹ میں ایک انٹرنیشنل علماء فورم بنا ہوا ہے جس میں مشرق وسطیٰ، یورپ، سکینڈے نیویا، امریکہ، کینیڈا کے علماء شامل ہیں۔ یہ بہت بڑا ادارہ ہے۔ مختلف دینی موضوعات پر ان میں بحث وتمحیص ہوتی ہے اور علماء کی رائے قائم کی جاتی ہے بہت سے سوالات ہمیں اس موضوع پہ آئے میرا خیال ہے ہمارے کوئی ڈیڑھ دو ہفتے اسی رونق میں گذر گئے یہ ان کی مہربانی ہے کہ ہمیں انہوں نے اس پار سے جا کر سوالات کئے۔ ہدایت تو اللہ کے پاس ہے ہم نے کوشش کی کہ اپنے طور پر انہیں مطمئن کر سکیں یا جواب دے سکیں توفیق اللہ کے پاس ہے ان دو حضرات کے سوال رہ گئے ہیں۔ ہمارا بھی آج اجتماع کا آخری دن ہے اور ان کے سوالات بھی ختم ہو رہے ہیں۔

سوال: مولانا عبدالواحد صاحب کینیڈا سے فرماتے ہیں کہ تصوف کے موضوع پر میں چند باتیں کہنا چاہوں گا۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تصوف کی تعلیمات کی بنیاد ہمیشہ سنت کے اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اگرچہ مختلف ادوار میں تصوف کی مختلف حالتیں سامنے آتی رہیں اس کا مقصد انسان کے کردار کی کامل اصلاح ہے۔ جن لوگوں کو صحیح تصوف کی تعلیمات کی نعمت نصیب ہوئی کامل شیخ مل گیا آپ ان کی زندگیوں میں سنت رسول اللہ ﷺ کا اتباع پائیں گے لیکن نقال پیروں کی وجہ سے تصوف میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔

جواب: ان کی یہ بات سوال نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اور یہ حرف حرف درست ہے میں نے پہلے بھی کئی دفعہ عرض کیا ہے کہ جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اتنی ہی اس کی نقلیں تیار ہوتی ہیں اور پیسہ کمایا جاتا ہے۔ یہ شعبہ بھی دین کا اعلیٰ ترین اور قیمتی شعبہ ہے۔ اس کی بہت نقل کی گئی، لوگوں نے خدائی کے دعوے کئے۔ دور کیوں جاتے ہیں پچھلے ہفتے ایک شخص تلہ گنگ میں گرفتار ہوا اور چالان کیا گیا وہ یہاں تلہ گنگ میں بیٹھ کر لوگوں سے سجدے کروا رہا تھا۔ لوگ باقاعدہ اسے سجدے کرتے تھے اور وہ گرفتار ہوا اب وہ معاملہ عدالت میں ہے کیا ہوتا ہے کیا نہیں یعنی لوگ معبود بن کر بیٹھے ہیں۔ لوگوں نے نبوت کے جھوٹے دعوے کئے اور جاتے جاتے انگریز نے جو جھوٹی نبوت کی فصل بوئی وہ ابھی تک مسلمانوں کے لئے مصیبت بنی ہوئی ہے۔ تو صوفی ہونے کا کوئی غلط دعویٰ کر دے تو اس میں کون سی نئی بات ہے۔ بے شمار لوگوں نے دعوے کئے، بے شمار نقلیں بنیں اور عجیب بات ہے کہ ہمارے حکمرانوں میں آدھے سے زیادہ تو وہ ہیں جن کو لوگ پوجتے ہیں جو خاندانی گدی نشین ہیں جن کا کردار بھی آپ کے سامنے ہے اور ماننے والوں کی بھی حد ہے کہ وہ ان کی پوجا کر رہے ہیں اور دولت نچھاور کئے جا رہے ہیں۔ آدھی کابینہ آپ کی نقلی صوفیوں کی ہے۔

یہ حق ہے کہ اصل مقصد اتباع رسول اللہ ﷺ ہے اور تصوف کا حاصل یہ ہے کہ اتباع جو کیا جائے وہ محض اداکاری نہ ہو بلکہ اس میں خلوص دل بھی شامل ہو یعنی اتباع سنت خلوص دل سے کیا جائے۔ دین پر عمل دل کی گہرائیوں سے کیا جائے۔ آخرت پر یقین محکم نصیب ہو۔ قرآن حکیم جو فرماتا ہے وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ اس میں سارے ایمانیات تو آ گئے پھر تاکیداً فرمایا وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ (البقرہ) حالانکہ ایمان بالآخرت وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ اس میں ایمان بالآخرت بھی آ گیا لیکن اس کی اہمیت کے لئے تاکیداً فرماتا ہے وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ (البقرہ: 4) آخرت پر انہیں یقین کامل ہوتا ہے۔ یہ ضروری ہے۔ تو یہ یقین کامل پیدا کرنے کے لئے ذکر قلبی اور برکات نبوت ضروری ہیں اور اس شعبے کا نام تصوف رکھ دیا گیا۔ اس میں بڑی بحثیں ہوئی ہیں علماء نے بڑی باتیں لکھی ہیں کہ وہ صوف پہنتے تھے اس لئے انہیں صوفی کہا گیا۔ صفائے قلب کا کام کرتے تھے اس لئے انہیں صوفی کہا گیا ہے لیکن میری ذاتی سمجھ کے مطابق جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ چہارگانہ فرائض نبوت میں تھا۔ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۱۶۴ (آل عمران: 164) نبوت کا مقصد جلیلہ لوگوں کی ہدایت کے لئے تھا یہ اس کا مقصد تھا اس کا طریقہ کار کیا ہو يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ اللہ کا رسول ﷺ دعوت الی اللہ دیتا ہے۔ وَيُزَكِّيۡهِمۡ جو قبول کرتا ہے اس کے دل کو پاک کرتا ہے اس کا تزکیہ کرتا ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ تزکیہ نصیب ہوتا ہے تو کتاب اور اس کی تفسیر، کتاب اور سنت، کتاب اور اس کا وہ مفہوم جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کتاب وحکمت کا اگر ہم سادہ، سلیس اور عام فہم ترجمہ کرنا چاہیں تو ہوگا کتاب وسنت۔ کیونکہ سنت کتاب کی تفسیر وتشریح ہے۔ اس کی تعلیم دیتا ہے۔ دیکھیں مقصد تو تھا کتاب وسنت کی تعلیم اور اس پر عمل۔ اس کے لئے پہلے دو درجے ضروری قرار پائے۔ بندہ ایمان قبول کرے، ایمان قبول نہیں کرتا تو پھر تعلیم کتاب وحکمت کیا ہوگی۔ پھر اس کا تزکیہ ہو، اس کا دل پاک ہو تو یہ جو تزکیہ تھا قرآن حکیم کا ترجمہ جب فارسی میں ہوا تو تصوف کہلایا۔ فارس فتح ہوا، کسریٰ کی سلطنت جب گئی، مسلمانوں نے آتش کدہ ایران کو ٹھنڈا کر کے توحید کے جھنڈے گاڑے تو اس خطے کو اللہ نے بڑی برکات سے نوازا۔ جید علماء اور محدث فارس سے ہوئے۔ قرآن حکیم کا جو فارسی میں ترجمہ کیا وہاں اس تزکیئے کا ترجمہ تصوف کیا گیا۔ وَيُزَكِّيۡهِمۡ کا ترجمہ صفائے قلب کیا گیا جس سے تصوف وجود میں آیا تو تصوف کا کام یہ ہے کہ علم بھی ہو، علم کے بغیر تو عمل ممکن نہیں۔ ضروریات کا علم بھی ہو۔ فرض کا جاننا فرض ہے، سنت کا جاننا سنت ہے، واجب کا جاننا واجب ہے۔ تصوف کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو سنت کا علم بھی دیا جائے، حدیث وفقہ سے آگاہ کیا جائے۔ دیکھیں کسی بھی شعبے میں عالم یا محقق یا کوئی ملتا ہے۔ دنیوی شعبوں میں بھی ہر کوئی بندہ محقق تو نہیں ہوتا۔ زندگی گزارنے کے لئے ضروری باتیں ہر کوئی جانتا ہے۔ دین میں بھی روزمرہ کے معمولات، فرائض، سنن، واجبات، لین دین اور معیشت، معاشرت، سیاست، حق وانصاف، اپنے حقوق، دوسروں کے حقوق، یہ بنیادی باتیں جاننا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا تصوف کے اداروں کا کام یہ ہے کہ وہ یہ ضروری علم بھی دیں۔ اور اس سے پہلے، ظاہری علم سے پہلے دلوں کی صفائی کریں، تزکیہ کریں، یہ طریق نبوت ہے۔ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ الحمدللہ بندہ ایماندار مومن ہے۔ اب اس کا تزکیہ ذکر اللہ کے نام سے ہی ہوگا۔ برکات نبوت سے ہوگا۔ تزکیہ ہوتا ہے تو پھر جو جو حرف اسے سکھائے جاتے ہیں اس کے لوح قلب پہ ثبت ہوجاتے ہیں وہ اپنی پوری کوشش ان پر عمل کرنے کی کرتا ہے اور میری رائے میں علماء کو چاہیے کہ اس پر سب سے زیادہ توجہ دیں۔ اس کی نقل بہت زیادہ ہوگئی ہے اور یہ کوئی علاج نہیں ہے کہ سر میں درد ہے ٹھیک نہیں ہوتا بڑی دوائیں کھائیں اب سر کاٹ دو تو درد ٹھیک ہو جائے گا۔ تصوف کی نقل ہوگئی ہے تو تصوف کو نکال دو تو کام ٹھیک ہو جائے گا، یہ صحیح نہیں ہے۔ تصوف روح ہے دین کی، روح نکال دو تو باقی کیا؟ ایکٹنگ رہ جائے گی، اداکاری رہ جائے گی۔ حق یہ ہے کہ جس چیز کی نقل عام ہوجاتی ہے اس کی اصل کو عام کیا جائے۔ نقل کو روکنے کا علاج یہ ہوتا ہے کہ اس کی اصل

شئے کو مارکیٹ کیا جائے تو نقل از خود رک جاتی ہے۔ اب یہ جتنی مخلوق ہے آپ کو جو لوگ نظر آتے ہیں یہ سارے کہیں نہ کہیں کسی پیرخانے سے وابستہ رہے ہیں۔ الّا کوئی چند ایسے ہوں گے جو نہیں تھے ہر کوئی کہیں نہ کہیں سالانہ چندے بھی دے رہا تھا۔ سلامیاں بھی کر رہا تھا، آج بھی رہا تھا۔ اب تو کہیں نہیں جاتے اب تو سیدھا سیدھا قرآن و سنت کو تلاش کرتے ہیں۔ نقل کا علاج یہ ہے کہ اصل کو مہیا کیا جائے تا کہ لوگ نقل سے بچ جائیں تو علماء کا یہ فریضہ ہے کہ اسے حاصل کریں لوگوں سے سیکھیں اور لوگوں کو سکھائیں تا کہ نقال پیروں سے اور نقلی باتوں سے نقلی رسومات سے اللہ انہیں محفوظ رکھے۔

سوال: اگر کشف یا کرامات کسی انسان سے ظاہر ہوتی ہیں تو اس کے لئے امتحان ہوتا ہے اس کی وجہ سے اس میں کبر اور غرور وغیرہ آئے تو ساری ترقی ضائع ہو جاتی ہے۔ انسان کی سب سے بڑی کرامت اپنی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کا اتباع ہے۔

جواب: یہ سوال تو نہیں بنتا یہ تو ان کا ارشاد ہی ہے اور بہت اچھا ہے اور سو فیصد درست ہے۔ کرامت کسے کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک یہ بھی مصیبت ہے۔ متقدمین علماء کی کتابیں جب ہم پڑھتے ہیں تو اس میں اتنی کرامات وہ نقل فرماتے ہیں کہ دین پر عمل کے اعتبار سے، آخرت پر یقین کے اعتبار سے ان چیزوں کو وہ کرامت گنتے ہیں کہ فلاں معاملے میں انہوں نے یہ عمل اختیار کیا اور یہ اللہ کے خوف سے اور آخرت کی وجہ سے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متقدمین بہت پائے کے صوفی تھے اور سوانح نگار یا جنہوں نے کتابیں لکھیں وہ خود بھی صوفی تھے۔ علامہ ابن القیمؒ، جوزیؒ یا امام ابن الخیاطیؒ یا امام محمد غزالیؒ یا صاحب حلیۃ الاولیاءؒ جنہوں نے لکھا وہ بھی صوفی تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کرامت کیا ہے؟ اب آ کر چند صدیوں سے صوفیوں کی کرامات اور صوفیوں کے حالات ان لوگوں نے لکھے، سوانح ان لوگوں نے لکھیں جو صوفی نہیں ہیں، جو کرامات تھیں وہ انہوں نے چھوڑ دیں اور اپنی طرف سے جو چیزیں فرض کر دیں، چھوٹی موٹی باتیں کہ اس کو دعا دی تو اس کا بیٹا ہو گیا، اس کی گائے شیر دار ہو گئی، اس کا مکان بن گیا وغیرہ۔ ایسی باتیں کرامات میں لکھی ہوئی ہیں۔ اس سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ علماء کا کام ہے کہ کرامات اور شعبدوں میں فرق بتائیں اور بتائیں کہ ولی کی کرامت کیا ہوتی ہے۔ یاد رکھیں! نبیؑ کا معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے، صادر نبیؑ کے ہاتھ پر ہوتا ہے، لاجواب ہوتا ہے، عقل کو عاجز کر دیتا ہے، اسے معجزہ کہتے ہیں۔ کوئی عقلی، علمی، دلیل سے اس کا رد نہیں کر سکتا، جواب نہیں دے سکتا۔ ولی کی کرامت دراصل نبیؑ کا معجزہ ہوتا ہے، فعل الٰہی ہوتا ہے۔ جب باتباع نبیؑ کسی پیروکار، مخلص بندے کے ہاتھ سے صادر ہوتا ہے تو معجزے کی بجائے کرامت کہلاتا ہے لیکن کمال نبیؑ کا ہوتا ہے اور ولی کو باتباع نبیؑ نصیب ہوتا ہے۔ نبیؑ کے معجزات کس لئے ہوتے تھے؟ کیا لوگوں سے چندہ لینے کے لئے؟ لوگوں پر اپنا رعب جمانے کے لئے؟ اپنی بڑائی کے لئے؟ نبیؑ کے معجزات ہوتے تھے اثبات حق کے لئے۔ اس کے دعوائے نبوت کے ثبوت کے طور پر۔ ولی کی کرامات میں بھی وہ عمل کرامت شمار ہوگا جو دین کی تائید کے لئے ہو، کوئی عقل سے بڑھ کر بات صادر ہو۔ دین میں لوگوں کے ایمان پر قائم رہنے میں مدد ملے تو وہ کرامت ہوگی۔ مثلاً کہیں کفر اسلام کا مقابلہ آ گیا ہے وہاں علماء عاجز آ گئے ہیں تو کوئی ولی کھڑا ہو کے کوئی ایسا کام کر دے منہ سے کچھ ایسے الفاظ نکل جائیں کوئی ایسا عمل صادر ہو جائے جس سے کفر کو شکست ہو جاتی ہے اور لوگ اسلام کی طرف راغب ہو جاتے ہیں تو یہ کرامت ہوتی ہے۔ تو یوں ہی لوگوں نے حکایات میں کرامتیں بنائی ہیں کہ جی وہ فلاں شخص دیوار پہ بیٹھے تھے تو انہوں

نے دیوار کو ایڑھ لگائی تو وہ گھوڑے کی طرح بھاگنے لگ پڑی۔

ہمارے ایک حکیم صاحب ہوا کرتے تھے بہت فاضل آدمی تھے۔ انہوں نے دہلی تک جا کر باقاعدہ طب پڑھی ہوئی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی مجلس ہوتی تھی۔ حضرتؒ انہیں بڑا پسند کرتے تھے۔ علماء کو اہل علم ویسے ہی اچھے لگتے ہیں۔ حکیم محمد اسماعیل ان کا نام تھا۔ بڑے حقیقت پسند تھے۔ ایک دن وہاں ان کے مطب میں بیٹھے تھے تو کسی نے وہی بات کی کہ فلاں بزرگ دیوار پر بیٹھا تھا اس نے دیوار بھگا دی تو مسکرا کر کہنے لگے یار کچے پتھروں کی دیوار ہوگی، دیوار گری ہوگی تو وہ گرتا گرتا آگے چلا گیا ہوگا تم کہتے ہو دیوار بھگا دی۔ تو اس طرح کی کرامتیں لوگوں نے گھڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ جیسے تصویریں یہاں بک رہی ہوتی ہیں، بابا فرید ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں، یا فلاں بزرگ ہیں وہ شیر پہ بیٹھے ہیں، ہاتھ میں سانپ پکڑا ہوا ہے اس کا چابک بنایا ہوا ہے یہ سب خیالی فضول واہیات چیزیں ہیں۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اس زمانے میں بے دینی پھیل رہی تھی انہوں نے لاکھوں لوگوں کو دین کی راہ پر گامزن کر دیا۔ تو یہ درست ہے حضرت لیکن یہ کرے گا کون؟ کرامت کی وضاحت تو ہوگئی۔ رہا کشف تو کشف از قسم ثمرات ہوتا ہے پھل ہوتا ہے اعمال کا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دو طرح کے لوگ ہیں بعض صوفیاء کو کشف ہوتا ہے اور بعض کو ساری زندگی نہیں ہوتا۔ میدان حشر میں جب اعمال کے وزن کی باری آئے گی تو جو کشف ہوتا ہے وہ اجر میں سے منہا کر دیا جائے گا چونکہ وہ از قسم ثمرات ہے وہ لے چکا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اس وقت صوفی حسرت کریں گے کہ کاش کوئی مشاہدہ، کوئی کشف نہ ہوا ہوتا اسی طرح دعا کے بارے ارشاد ہوتا ہے حدیث شریف میں موجود ہے حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ جو دعا مانگی جاتی ہے، مومن کی دعا قبول ہوتی ہے، رد ہوتی ہی نہیں اس کے مختلف انداز ہیں کوئی چیز مانگی، اسی وقت عطا ہوگئی وہ اسے سمجھ آگئی میری دعا قبول ہوگئی۔ جو چیز مانگی ویسی ہی مل جاتی ہے لیکن وقت کے حساب سے مؤخر کر دی جاتی ہے۔ وہ پریشان رہتا ہے کہ میری دعا پتہ نہیں کہاں گئی؟ تیسرا انداز یہ ہوتا ہے کہ جو چیز وہ مانگ رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ نقصان دہ ہے تو اللہ اس کے بدلے کوئی دوسری بہتر چیز دے دیتا ہے۔ جیسے بچہ ماں سے چھری لینے کی ضد کر رہا ہے تو وہ چھری نہیں دیتی کوئی کھلونا دے دیتی ہے کہ چھری سے اپنے آپ کو زخمی کر لے گا۔ پھر آخری صورت یہ ہے کہ بندہ دعا کرتا ہے اور وہ چیز اس کے لئے مفید نہیں ہے وہ اُسے نہیں دی جاتی تو وہ دعا عنداللہ محفوظ کر لی جاتی ہے۔ فرشتوں کے اور کراماً کاتبین کے اور حساب کتاب کرنے والوں کے بھی علم میں نہیں ہوتی۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم عالی ہے کہ میدان حشر میں اعمال کا وزن ہوگا تو فرشتے کہیں گے کہ اللہ کریم اس کے سارے اعمال ہم نے ترازو میں رکھ دیئے ارشاد ہوگا، نہیں، سارے نہیں، اس کے کچھ اعمال میرے پاس بھی ہیں اس وقت وہ دعائیں جو اس نے مانگی تھیں اور دنیا میں بدلہ نہیں پایا وہ اللہ کریم اپنی بارگاہ سے عطا کریں گے کہ یہ امانتیں اس کی میرے پاس ہیں تم نے دعا مانگنے کا ثواب تو لکھ دیا، رکھ دیا، لیکن اصل دعا تو میرے پاس محفوظ ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے مستجاب الدعوات اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش ان کی دعائیں بھی آج کام آتیں ان کا بدلہ دنیا میں نہ ملتا۔ اسی طرح کشف اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ کوئی چیز کسی وقت منکشف کر دے یہ اس کا احسان ہے کسی چیز پر اسی وقت پردہ ڈال دے تو اس کا احسان ہے۔ میں نے عرض کیا تھا وَ کَذٰلِکَ

نُرِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ مَلَكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۝ الانعام:75
زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہت ہم نے ابراہیمؑ پر کھول کر رکھ دی۔
ایک لمحہ ایسا آیا کہ ارض وسماء کی ساری مملکت کھول کر رکھ دی۔
دوسرے لمحے اسماعیلؑ کو ذبح کرنا تھا یہ نہیں بتایا کہ دنبہ ذبح ہوگا اور اسماعیلؑ بچ جائے گا۔ آپ کا خون بہنے تک وہ یہی سمجھتے رہے کہ میں اسماعیلؑ کی گردن کاٹ رہا ہوں۔ آنکھ کھولی تو پریشان ہو گئے۔
قربانی تو اسماعیلؑ کی کی تھی یہ تو زندہ کھڑا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ الصفت:105 آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ یعقوبؑ سے یوسفؑ بچھڑ گئے۔ بھائیوں نے کنوئیں میں پھینک دیا انہیں کسی قافلے والوں نے نکالا بھائیوں نے ان سے پیسے لے لئے مصر میں جا کر نیلام ہوئے عزیز مصر کی بیوی نے قید کرادیا، جیل میں رہے، یعقوبؑ تڑپتے رہے وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ (یوسف:84) یوسف کے دکھ میں ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں رورو کر بینائی جاتی رہی لیکن یہ پتہ نہ چلا کہ یوسف ہے کہاں۔ اب جب اللہ نے بتانا چاہا، قحط کا وقت آیا تو بھائی گندم لینے مصر گئے۔ یوسفؑ نے جب ان پر اپنا اظہار کیا کہ میں یوسف ہوں اور میں مصر کا حکمران ہوں تو ان سے والد ماجد کی صورتحال پوچھی۔ انہوں نے کہا آپ کی جدائی میں رورو کر ان کی نظر ختم ہو گئی ہے، آنکھیں سفید ہو گئی ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ میری قمیص لیتے جاؤ ان کے رخ انور پر قمیص مل دینا آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔ اب جب وہ قمیص لے کر مصر سے نکلے تو یعقوبؑ کنعان میں تھے وَلَمَّا فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ تو فرمایا اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِيۡحَ يُوۡسُفَ ۝ (یوسف:94) یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ بعض کہتے ہیں تیرہ برس گزر گئے۔ بعض کہتے ہیں تیس برس گزر گئے۔ تیس برس تو خوشبو نہ آئی جب اللہ نے چاہا وَلَمَّا فَصَلَتِ الۡعِيۡرُ جب قافلہ شہر سے نکلا اور کنعان میں فرمایا اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِيۡحَ يُوۡسُفَ آج مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے تو اس پر مولانا رومی نے لکھا ہے

کسے پرسید آں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گوہر پیر خردمند

کسی نے یعقوبؑ سے یہ سوال کیا اے اللہ کے محبوب اور روشن ضمیر اور دانا و عقلمند آدمی

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی
چرا در چاہ کنعان نہ دیدی

مصر سے آپ کو قمیص کی خوشبو تو آ گئی آپ کے گاؤں کے کنوئیں میں یوسفؑ پڑا رہا وہاں آپ کو کچھ نظر نہیں آیا۔ سینکڑوں میل دور آپ کو قمیص کی خوشبو آ گئی۔

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی
چرا در چاہ کنعان نہ دیدی
بگفت احوال مابرق جہان است
دمے پیدا دمے دیگر نہاں است

انہوں نے فرمایا ہماری حالت اس طرح ہوتی ہے جس طرح آسمان پہ بجلی چمکتی ہے تو سب کچھ روشن کر دیتی ہے۔ جب جاتی ہے تو گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو جاتا ہے۔

گہے برطارم اعلیٰ نشینیم
گہے برپشتِ پائے خود نہ بینیم

کبھی تو عرش اولیٰ پر ہماری نظر ہوتی ہے، کبھی ہمیں اپنے پاؤں کی پشت بھی دکھائی نہیں دیتی جو ہر ایک کے سامنے ہوتی ہے ہماری نظر سے وہ بھی اوجھل ہو جاتی ہے۔ یہ سب فعل اللہ کا ہے، از قسم ثمرات ہے جس کو دے دیتا ہے اب یہ اس کی عطا ہے۔ یہ اس کے اعمال کی صحت پر دلیل ہے کہ برائی سے کشف الٰہیات نہیں ہوتا خرافات ہوتی ہیں، کشف الٰہیات عالم بالا کی بات ہے لَا تُفَتَّحُ

لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ O (الاعراف:40) غیر اسلامی کام پر اور کفر کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے ،منکشف نہیں ہوتا۔ یہ چیزیں حق پر ہونے کی دلیل ہیں جس پر ہوتا ہے تو اس پر اللہ کا انعام ہے لیکن اس کے باوجود وہ اللہ کا فعل ہے۔ جو چیز بتا دے اس کی مہربانی جو نہ بتائے نہیں سمجھ آتی ۔ یہ اختیاری نہیں ہے، فعل ہے۔ اللہ کا اور یہ بھی درست ہے کہ بعض لوگ بدنصیب ہوتے ہیں، کسی کرامت کے صدور یا مشاہدے کے بعد اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اپنی بڑائی میں مبتلا ہو تو پھر مشاہدہ بھی نہیں رہتا، کرامت بھی نہیں رہتی پھر گمراہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اور یہ بات بھی درست ہے کہ جو جتنی بلندی سے گرتا ہے اتنی زیادہ چوٹیں لگتی ہیں، اتنا زیادہ تباہ ہوتا ہے، تو جو اس راہ میں بھٹکتے ہیں پھر وہ ایمان بھی ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے۔ بندے کے لئے بندہ ہونا ہی سب سے بڑا کمال ہے اور عاجزی اور نیاز مندی ہے۔ بندے کا سب سے بڑا کمال بندے کا عجز و نیاز مندی اور خشوع و خضوع ہے۔

سوال: ہم سب کو چاہیے کہ کامل شیخ کی صحبت میں بیٹھیں۔ ماضی وحال کے جید صوفیاء کے حالات کا مطالعہ کریں۔

جواب: بہت صحیح بات ہے حضرت نے بہت حق کی بات کہی۔ بڑی اچھی بات کہی یا یہ کہ ہم ایسے لوگوں کو تلاش کریں جن کی صحبت میں دین کا علم بھی ملتا ہو اور ایسی کیفیات بھی ملتی ہوں جن سے دین پرعمل کرنے میں بھی لطف آتا ہو اور دین پرعمل کرنے کی توفیق بھی ارزاں ہو اور اس کے ساتھ یہ بھی بہت اچھی بات حضرت نے فرمائی کہ متقدمین صوفیاء کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے۔ صوفیاء کے حالات پڑھے جائیں تو کیفیات میں اس طرح سے تازگی آتی ہے جیسے باغ کو پانی لگا دیا جاتا ہے۔ تو ہر صوفی کے حالات میں اس کی کیفیات بھی ہوتی ہیں تو بہت اچھی بات ہے حضرت میں آپ سے متفق ہوں کہ سب کو چاہیے۔ علماء کو بھی عوام کو بھی، ایسے کامل کو تلاش کریں اس کی صحبت اختیار کریں اور جید صوفیاء کے حالات کا مطالعہ کریں اور اپنی زندگیوں کو اتباع سنت میں خلوص کے ساتھ ڈھالنے کی پوری سعی کریں۔ اللہ کریم آپ کے خیال میں برکت دے۔

یہ اگلے ارشادات مولانا زبیر کریم صاحب کے ہیں۔ یہ بھی اسی انٹرنیشنل علماء فورم کے ہیں۔

سوال: یہ فرماتے ہیں تصوف کے موضوع پر جو گفتگو ہو رہی ہے وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھ رہا ہوں اور صرف اس موضوع پر یہ کہنا چاہوں گا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو لوگ کشف والہام کی آرزو کرتے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جو اپنے باغ میں صرف گھاس اگانا چاہتے ہیں۔ اگر وہ پودوں کی جڑوں سے گھاس نہیں نکالے گا تو نتیجہ پودوں کا ضائع کرنا ہوگا اس لئے قیمتی چیز کی نگہبانی کرنی چاہیے کہ پودے قیمتی ہیں گھاس تو خود بخود اگنے والی چیز ہے۔

جواب: مولانا تھانویؒ کی اس موضوع پر بہت سی تصنیفات ہیں مجھے صحیح یاد نہیں غالباً تمیں پینتیس کے قریب ہیں۔ اور ایک بات تو طے ہوگئی ناں کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی صوفی تھے چونکہ غیر صوفی تو تصوف پہ قلم نہیں اٹھاتے۔ دوسری بات میں نے مشاہدات کی ابھی ابھی عرض کر دی کہ اگر کوئی محض کشف وکرامات کا طالب ہے تو غیر اللہ کا طالب ہے۔ کشف وکرامات اللہ تو نہیں ہے تو غیر اللہ کی طلب میں تو عقیدے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے آپ عمل کی بات کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ اعمال پودے ہیں۔ پودے تو تب ہوں گے جب زمین بچے گی۔ غیر اللہ کے لئے اگر کوئی مجاہدہ کرتا ہے تو خطرہ عقیدے کا پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے پاس زمین ہی نہیں رہے گی پودے کہاں لگیں گے۔ طلب صرف اللہ کی ہو، اعمال ذریعہ ہیں حق کو پانے کا جو حضور اکرم ﷺ نے تعلیم

فرمائے۔ کتاب وسنت ذریعہ ہے حق کو پانے کا، مقصد حصولِ حق ہے۔ اس لئے مقصد سے جو ہٹے گا نقصان اٹھائے گا۔ مولانا تھانویؒ نے سو فیصد درست فرمایا اور کشف ومشاہدے کے لئے ہمارے ہاں تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی نہ کوئی محنت کی جاتی ہے۔ اس موضوع پر کبھی بات ہوتی ہے اور بڑی حد تک ہم لوگوں کو روکتے ہیں اس لئے روکتے ہیں کہ کشف جو ہے جسے کشف ہوتا ہے اگر اسے کسی معاملے پہ کشف ہوا اور وہ حدودِ شرعی کے اندر ہے تو ٹھیک اور اگر حدودِ شرعی کے خلاف ہے تو وہ شیطانی وسوسہ ہے کشف نہیں ہے۔ شریعت کے مطابق ہے تو خود اس صاحب کشف کے لئے دلیل ہے کسی بھی دوسرے آدمی کے لئے نہیں۔ دوسرا آدمی جو چاہتا ہے کہ فلاں بات دیکھ کر مجھے بتا دو وہ جاہل ہے، بے وقوف ہے اس کے لئے اس کی بات حجت ہی نہیں، دلیل ہی نہیں۔ وہ اپنے معاملات شریعت سے پوچھے۔ نبی کا کشف پوری امت کے لئے حجت ہے۔ ولی کا کشف کسی دوسرے ایک کے لئے بھی حجت نہیں ہوتا۔ ہم تو ان چیزوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے نہ یہاں دیکھا ہے نہ ایسی کوئی بات کی جاتی ہے اپنے اپنے کام پہ اپنے اپنے سبق پہ توجہ رہتی ہے جتنے اسباق آگے جاتے ہیں اتنا خلوص اتباع سنت میں نصیب ہوتا ہے توفیق ارزاں ہوتی ہے۔

سوال: فرماتے ہیں اس لئے اچھے اعمال کر کے ہمیں نیکیاں کمانی چاہئیں۔ اچھے لوگوں کو کشف ومشاہدہ نعمت کے طور پر ملتے رہتے ہیں شریعت کے اندر ہوں تو بہت اچھے ہیں لیکن وہ مقصد نہیں ہیں اصل مقصد اعمال صالحہ ہیں۔

جواب: کون اس سے اختلاف کرتا ہے؟ اور برائی سے تو نیکی کا کشف ہوتا بھی نہیں کہ کوئی کفر کرے یا گناہ کرے یا بدکاری کرے تو اسے سیدھا کشف ہو جائے گا۔ برائی سے تو شیطانی وساوس آتے ہیں۔ وَاِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِہِمۡ O (الانعام:121) شیطان اپنے دوستوں پہ باتیں القاء کرتے رہتے ہیں۔ یہ شیطانی چیزیں نظر آتی رہتی ہیں۔ وہ تو ہو سکتا ہے۔ نیکی کا کشف، تجلیات باری، انوارات، بالائے عرش، بالائے آسمان، برزخ اتباع سنت سے ہی یہ مشاہدات نصیب ہوتے ہیں۔ اور مشاہدات مقصد نہیں ہیں اللہ کی رضا ہے اور خشوع وخضوع کا حصول ہے۔ اور اعمال میں آدمی کا دل ساتھ نہ دے تو اعمال اداکاری رہ جاتے ہیں۔ دیوبند کے حضرات میں سے ہی ایک شخص حج پر تشریف لے گئے تو ان دنوں آنے جانے میں کم از کم ایک برس لگ جاتا تھا۔ بمبئی سے بحری جہاز جاتا تھا سارے ہندوستان کے لئے یہی طریقہ تھا کہ ریلوے سے آؤ، بمبئی سے بحری جہاز پر بیٹھو پھر آگے عرب کی سرزمین پہ یا اونٹوں کی سواری یا گھوڑوں کی یا پیدل، جس کے پاس سرمایہ ہوتا وہ کرائے کے کر لیتا۔ لوگ پیدل چلتے۔ سو وہاں سے انہوں نے کوئی خط بھیجا اپنے کسی بزرگ کو، وہ میرے فلاں فلاں معاملات تھے اس کی ذرا خبر گیری کیجئے۔ انہوں نے انہیں جواباً لکھا کہ تم وجود تو حرمین میں لے گئے دل ہندوستان میں چھوڑ گئے اس سے تو بہتر ہوتا کہ تمہارا وجود ہندوستان میں ہوتا دل حرمین میں لگا ہوا ہوتا۔ تو اعمال میں یہ فرق ہوتا ہے کہ دل بازار میں ہوتا ہے بندہ مسجد میں سجدے کر رہا ہوتا ہے، دل کہیں اور بھٹک رہا ہوتا ہے وجود کو ہم کہیں اور لے جاتے ہیں۔ تصوف یہ ہے کہ اتباع سنت میں شریعت کے اتباع میں دل ساتھ دے خلوص ہو خشوع وخضوع بھی ہو اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے جتنا اللہ کریم کسی کو عطا کرتا ہے تو اعمال ہی میں۔ اعمال کو چھوڑ دیا تو بات ہی ختم ہو گئی پیچھے بچا کیا اعمال ہی میں مزید خلوص اور دل کا ساتھ حاصل کرنا ہی تصوف ہے تو ان دونوں حضرات نے تو بحمد للہ بہت خوبصورت باتیں ارشاد فرمائیں۔ اللہ ان کے علم میں، عمل میں، درجات میں ترقی عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

sufficiency is because we do not possess the capability to attain and gain it. It is our shortcoming that we don't work hard for attaining His-swt Mercy and the solution for it is that we have to increase our capabilities in order to attain those blessings.

The Holy Prophet-saws has said that,' the heart is also rusted and its treatment is zikr Allah-swt', similarly in Quran it is stated that Al-Mutaffifin) 83:14(By no means !but on their hearts is the stain(. So the treatment for cleaning your heart and increasing your capability of attaining the blessings from Allah-swt, you have to work hard. If at Dar-ul-Irfan you are doing zikr five times according to the routine, then it will be good that during the free time you do five times more zikr. Dar-ul-Irfan is open all over the year and anybody can come and stay. Here you will do zikr and you will be helped in any way possible, but in Dar-ul-Irfan when you stay here, try to stay like a Mu'takif. Keep in view your objective of attaining the blessings and increasing your potential. Work hard, do zikr and you will be trained to the best that we can do. Allah-swt blessings are countless and He-swt gives it whomever He-swt Wills. May Allah-swt help everyone and may Allah-swt bless everyone with pure wishes and clean desires!

I once again ensure you all that we do not possess the audacity of speaking lies on the Holy Prophet-saws because it is the greatest disrespect someone can imagine and it will never happen. May Allah-swt protect us from such a serious dishonesty. Here everyone is given real muraqbat; the spirit is taken to the court of the Holy Prophet-saws in reality; the Oath at the blessed hands of the Holy Prophet-saws is done in reality and there is no lie in it. If there is any lie in it, then the one, who is speaking it, is surely doomed.

There was a colleague of us who used to say that I don't need any evidences or proofs, because in this world you don't know the reality but as soon as you enter into the next world you will see the reality and there is no proof required at that time. If someone would try to argue with him in the matters of Tasawwuf he would reply that I am not an educated person and I don't know about any evidence from books but a day will come when everybody will come to know the reality, the day, when he is placed in his grave.

So in this case nobody's personal will is involved whether it is me or some sahib-e-majaz. It is everything from the office of the Holy Prophet-saws and no one else's personal wish. Whatever that I can do for you is to pray for all of you whether they are present in this gathering or not. So I guess that we are only left with two days of the Ramazan Mubarak and the day after tomorrow will Jummah tul Wida', and then next year we do not know who will be living until the next Ramazan. May Allah-swt keep everybody in the state of good belief and true faith.

Remember that the essence of this path is trust and faith, hard work is the energy that you have to take along with you for moving ahead on this path and nobody should try to test others in this path. It is because the examiner has always to be more learned than the examinee and nobody from the less learned can test those who are ahead of him. Therefore, anybody who comes into the Silsilah should not come for testing it, but for reformation of his own self and his actions and faith. If somebody is not willing to come, they are never forced to enter into the Silsilah. It is only Allah-swt's Will wherever He-swt sends a person, and there may be many people more closer to Allah-swt than anyone in the Silsilah, because it is His-swt selection and nobody can force others to do it. The only thing that is different inside the Silsilah is that here hard work and devotion are the keys to attain the Prophetic Blessings from the court of the Holy Prophet-saws.

In the end I would like to state that a very calamitous situation is prevailing in the country in the form of the recent devastating floods. The help that is being delivered to the flood affected people by the government is very haphazardly distributed and a lot of management problems arise, resulting in worsening of the sufferings of those victims. We decided that wherever we have the network of the organisation across the country, every circle should begin helping the flood affected people. The funds that we have for this task are not in sufficient quantity. Most of the donations include Zakat which I think is not sufficient for helping the 20 million people suffered. The present fund totals are around 5 million rupees which even if doubled is not sufficient for all of those who have suffered. So I would request you to donate more and more, and do not get satisfied merely by paying Zakat. All these donations will be purely delivered to the affected people and it does not include the expenses of delivering the goods, which must also be paid by those who are donating to the fund. The work will be done voluntarily and not as paid wages. May Allah-swt help all those who help others!

will answer in the meanings that are comprehended by him and none of them will match each other in their opinion.

Therefore, if you find such people who distribute the Prophetic Blessings, go ahead and get benefitted, get your fortune. Proofs from Quran and Sunnah are present regarding Fana fi Rasool-saws, or proofs from Salaf Saleheen or books like Dalael ul Salook and Masaael ul Salook can be consulted. Now the question remains that if somebody after finding the proof starts testing those who claim to have the capability to deliver Fana fi Rasool-saws and doubts the authenticity of their claim then what would be the validity of such test? Is it truly needed to be tested? If somebody is claiming that they could deliver Fana fi Rasool-saws and it is false, then they should also remember the saying of the Holy Prophet-saws that" whoever speaks a lie on me, he or she should witness their destination in Hell. "There remains no question if a person is doing zikr Allah-swt round the clock and still he is ignorant of the consequences of speaking a lie on the Holy Prophet-saws. However, nobody can be authorised to test the validity of these blessings above the Quran and the Holy Prophet-saws, because nobody is perfect like these. Therefore, nobody should fall into these matters because it is a very sensitive situation and the focus of one's attention should be his relationship with Allah-swt and His-swt Messenger-saws. If you say that those who are claiming the possession of the Prophetic Blessings are lying and are dishonest, then at least you should continue to become more honest with Allah-swt and the Holy Prophet-saws and that will help you to achieve something.

I remember that when I would do lataif I opened my wrist watch and removed the minute's hand, because I would think that it just distract me from doing zikr in the count of minutes. We would do zikr for hours and not for minutes. How many people can really undergo such hard practice in the present times? During the nights of December we used to do zikr and lataif to such an extent that we would develop ulcers in mouth and stomach, and many times those ulcers would bleed during the zikr. We used to take Ispaghol Husk for relieving the cramps in stomach and in place of eating something we would use raw sugar cane juice just for maintaining the required energy. Our present situation is such that when we do zikr at Dar-ul-Irfan for a very short time, people get tired of it and I have seen people not joining the zikr and lying outside in the hall covered under their shawls. It is because people have given up the hard work and become lazy, and now zikr is done in minutes, and at most times it is less than thirty minutes of duration.

So my advice to all the Majazeen is that they should work hard on their lataif and other lessons and this hard work should continue until the last breath of life. Hazrat Jee-rua once asked Hadhrat Khwaja Muin ud Din-rua that how long you have been doing your lataif during your one hundred and twenty years of life and Hadhrat Khwaja-rua replied that except for the last four days of my life when I was on deathbed and in stupor, I did all my routine throughout my life. Hadhrat Khwaja Muin ud Din Ajmeri-rua went to Ajmer Sharif at the age of ninety and at that time there was no Muslim in that area, but at the time of his-rua death there were more than a hundred thousand people who were present in his-rua funeral. All those people were converted to Islam at his-rua hands.

The point of saying all this is that there is no such attainment in the path of Tasawwuf where the duty of doing your routine lataif and muraqbat is no longer required; rather it is a lifelong routine until the last breath of your life and as much as your muraqbat go higher the responsibility of doing it increases more and more. Another point is that when you give muraqbat to somebody, only do it as a blessing and a trust from Allah-swt, as your duty and according to the capability of the seeker. Remember not to make the delivery of this blessing as a source of earning worldly honour and making others as your subordinates. Honour and nobility comes from Allah-swt and there is no place for worldly earnings in this path.

Next point is for the rest of the colleagues of the Silsilah, that on one hand you are keeping the desire to attain the blessings of the court of the Holy Prophet-saws and on the other you do not even have time for zikr !If somebody is willing to go to a faraway place but does not possess the expenses for the transport nor has the capability to walk on his own feet; how could he travel in such a situation? So if you desire for the attainment of Fana fi Rasool-saws and the higher stations, while cannot cope with the requirements for their attainment then it is your own mistake and you have to fill this shortcoming with hard work and devotion. Allah-swt's Mercy is never deficient in any situation, the problem that we do not perceive its

THE BASIS OF TASAWWUF IS TRUST

Translated Speech of His Eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Ijtima Aitkaf Dar-ul-Irfan 9th September 2010

This ijtimah was in December that year and in February next year Hazrat Jee-rua passed away. Hazrat Jee-rua left the greater responsibility on my shoulders. Thereafter those people first came under my oath as the shaikh of the Silsilah but later they tried to malign and establish their own separate version of the Silsilah and at last separated completely. However, everything was going swiftly by the grace of Allah-swt. Maulana Abdul Baqi-rua was one of our colleagues, and was belonging to Afghanistan who was forcefully expatriated from Afghanistan in the times of King Zahir Shah of Afghanistan. He-rua used to live in the tribal region and is buried here in Dar-ul-Irfan. He-rua heard about that entire chaotic situation regarding the matters of conducting the affairs of Silsilah after Hazrat Jee-rua and wrote a letter to me in Persian, since he-rua could not speak Urdu or Punjabi. He-rua wrote that" people tried to snatch the responsibility of the seat of Caliphate from Hadhrat Usman-rau but he-rau accepted to give his-rau life for the responsibility of keeping the trust of the office of the Holy Prophet-saws. So if these people try to erupt a chaos about this matter and according to your personal disposition, if you accept to retire from keeping the trust given to you by Hazrat Jee-rua will be a great mistake. Keeping the honour of the trust given to you is also your responsibility and you have to keep it for your whole life."

So if somebody is assigned the duty of Sahib-e-Majaz, it is not his personal excellence rather it is the blessing of Allah-swt that he has been selected for this task. One has to keep in view the sensitive situation of whether he is properly discharging his responsibilities or not. The problem arises when a sahib-e-majaz starts thinking that now he is no longer accountable for anything or to anybody, despite the fact that such a person is more accountable and bear more responsibility regarding the trust. For instance, if somebody is bearing the load of a single person, he is needed to have the power of a single person, but if somebody has to bear the load of ten or more people he is required to have that much power. So the first important point that I would like to advise is that all those who are assigned the duties of a sahib-e-majaz should do extra hard work on their lataif, muraqbat and all their day to day actions. All of them should have the sense of responsibility that they are in a sensitive position where every bit of action would affect all of those who come under their circle.

The second important point is that, delivering these Divine Blessings or Barakat-e-Nabuwwat to other fellow beings is a great blessing of Allah-swt and He-swt Himself selects people for its deliverance. Personally I have done lataif for years and it was interesting because most of the time I would be with Hazrat Jee-rua, still my lataif took years to complete. And during those years I have seen people who would come and within eight or nine days they would attain Fana fi Rasool-saws and Fana Baqa, but in my case it took years only for my lataif to complete. So in that case it was nobody's excellence, but only His-swt blessings and His-swt Will. He-swt is independent of everything and it is His-swt Will to give anything to anybody whatever they deserve. But in my own case all those tough years of hard work resulted later in blessing me with a lot of His-swt Mercy, so it means that everything that actually matters is His-swt Will. So if somebody is not willing to get benefited by these blessings, then at least he or she should not deny their beneficence.

There are two kinds of people who deny the Prophetic Blessings. One type of people is those who simply deny its existence. Another kind of people is those who want to test the validity and authenticity of its usefulness which is a very grave mistake and nobody should do it. How a person could test the authenticity of it? What if he himself is being put in test by Allah-swt? Every single person has his own way of thinking and comprehending whatever he perceives through his senses. For instance, if I am talking and about one thousand people are listening to this speech, every single person in this gathering will perceive in his own way. If you ask all of them about this single speech, everyone

addressing a Majlis he was waiting to take a train when Hazrat Ji-rua caught sight of him. Hazrat Ji-rua quietly went behind him, lifted his shirt and exposed his back. Recoiling with alarm, Maulvi Ismail turned around to find Hazrat Ji-rua. In amazement he asked. 'Why have you done this in front of everyone?' Hazrat Ji-rua replied, 'You have incited a lot of people to flagellate themselves and injure their backs in lamentation. I was checking if there are any signs on your back as well.'

Hazrat Ji-rua had entered the arena of 'Manazaray' in compliance with the indirect instruction pereceived during the Maraqbah of Fana fir Rasool. In the fulfilment of this duty he undertook rigorous toil. To illustrate, we present an example from his early debating days.

Hazrat Ji-rua was invited to speak at a Manazara held in Jhatala, a famous town on the Tala Gang Khushab road. In a debate, references books were always needed to provide proof. When Hazrat Ji-rua set out from Chakrala, he took along with him a heavy trunk filled with voluminous reference books. On arriving at Jhatala he got off the bus, asked two men to help lift the heavy trunk on his head, and headed towards the village on foot. His dress did not indicate he was an Alim, rather he seemed like an ordinary villager, but in reality he was on duty as a servant of the Court of The Holy Prophet-saws and in performing his duty, was carrying his load of books himself. The welcoming committee did not even know that he was Hazrat Maulana Allah Yar Khan-rua, who was being eagerly awaited by the whole village for many days.

During the later years of his Manazara era, Hazrat Ji-rua would often be accompanied by Hazrat Ameer al Mukarram (Muhammad Akram Awan) who would also act as his bodyguard. Hazrat Ji-rua had been attacked at the conclusion of the Manazara at Kaloowal, Sargodha. The situation had changed and thereafter, following the Sunnah of the Holy Prophet saws he armed himself when travelling, and kept a 32 bore revolver with him.

In 1961 Hazrat Ji-rua went to a meeting in Tehsil Chakwal at the invitation of a poor person accompanied by Hazrat Ameer al Mukarram. The event lasted three days. Every day Hazrat Ji-rua addressed the assembly and the rest of his time was spent meeting people anxious to speak with him. The poor villager was unable to look after his guests properly. He could only provide a rough bed with a cover and pillow for Hazrat Ji-rua, and not even that for Hazrat Ameer al Mukarram, who had to sleep on the floor. On the fourth day, when they departed, no provisions were made for their journey. As they were boarding the bus, a villager thrust two banknotes of ten rupees at Hazrat Ameer al Mukarram, which just about covered their fare. Hazrat Ameer al Mukarram's facial expressions betrayed his feelings. Looking at him Hazrat Ji-rua inquired, 'What is the matter?'

Hazrat Ameer al Mukarram replied, 'Hazrat, these people have given twenty rupees'.

Hazrat Ji-rua said, 'Give thanks that they paid the fare. We are working for Allah swt's Pleasure, money is not our object. Even if they had not given us this, we would have spent money out of our own pocket to carry out our duty for the Deen.

During the ten years of Hazrat Ji-rua's 'Manazara era' he actively participated in innumerable debates. In this period he reached every village or town, leaving aside all his other activities, even bidding farewell to the highly exhilarating moments of Zikr and contemplation, to execute the duty assigned to him. On one hand he visited small villages like Khandway and Kot Miana and on the other large towns like Multan, Jhelum and many others. Using his own means he travelled extensively throughout Sind and Kashmir. During this period Hazrat Ji-rua also toured Panan Wal in Jhelum district accompanied by Sayyed Ahmed Shah Bokhari-rau Chokerwi, Mohammad Abdus Sattar Taunsvi and Maulana Innayat Ullah Gujrati and spoke on various topics at the three day assembly held between 24 -26th January 1957.

To be Continued

the Masjid with both the opposing factions sitting together. In reply to Maulvi Ismail's speech, Hazrat Ji-rua started his discourse. After a while a state of Jalal (a combination of power, grandeur, and anger) descended on him, his voice roaring with authority. This had an extraordinary effect on Maulvi Ismail, who had to leave immediately without giving the customary refuting speech. Thereafter, he did not speak in opposition to Hazrat Ji-rua. He often remarked, 'I could make a speech facing Maulvi Sahib, but it is his spiritual strength that I cannot face.'

Sometimes, to expose the difference between truth and falsehood in front of the rural folk, the Ahl-e Sunnat would hold Manazaray themselves and pay to invite Shia speakers. In this spirit once Makhdoom Sadar ud Deen held a gathering in Kot Miana and invited Maulvi Ismail as a speaker. At the time, according to his practice, Hazrat Ji-rua was visiting Langar Makhdoom, and as yet his debating abilities were not known in this area. Makhdoom Sahib requested Hazrat Ji-rua to suggest an erudite Alim and speaker who could match the debating powers of Maulvi Ismail, the famous Shia speaker. Hazrat Ji rua replied, 'Set the date, the other arrangements will be taken care of.' On the persistence of Makhdoom Sahib, he let slip, 'What if I am the speaker?' This remark took Makhdoom Sahib by surprise, but all the same he had announced a date Manazara in Kot Miana between Maulvi Ismail the Shia debater and Hazrat Ji-rua. People from far and wide came to attend the debate but Maulvi Ismail after hearing Hazrat Ji rua's name did not have the courage to face him. Therefore the Manazara could not be held, nevertheless Hazrat Ji-rua, as was his practice, addressed the assembly.

If, for any reason, a Manazara was cancelled, Hazrat Ji--rua would go ahead with his address which dealt with the subject of reformation and correction.

However the most important point of all his addresses would invariably be the eulogy for the Sahabah Karam-rua. There was no further need to hold Manazara in Kot Miana, because after the disappearance of Maulvi Ismail the truth had dawned on the people; in the manner of : "Truth has arrived and Falsehood perished" (Bani Isra'il v.81)

Thereafter, it happened many times that Hazrat Ji-rua's name was announced to get rid of Maulvi Ismail and he would not take part in the Manazara. Sometimes it also happened that he arrived for a Manazara and on learning that Hazrat Ji-rua was his opponent, he quietly slipped away.

This person was once asked to speak at a place called Khandway near Kalar Kahar. The local people went to invite Hazrat Ji-rua, which he accepted but by the time he reached Kalar Kahar, it was already night, so he spent the night there and arrived at Khandway early next morning. As soon as it became known to Maulvi Ismail that Hazrat Ji-rua was his opponent, he made the excuse of his daughter's illness and departed. Although the Manazara was not held, Hazrat Ji-rua delivered his usual reforming address to the assembly. Another Manazara between Maulvi Ismail and Hazrat Ji-rua was held in Hashmat Mirali, Multan, but its details could not be obtained.

Once Hazrat Ji-rua went to Sind for a Manazara and his specific instructions were that Maulvi Ismail should not be informed about his opponent. They happened to meet at the railway station and Hazrat Ji-rua clutched his arm, took him aside and told him: 'You are an Alim and are aware of the Reality, then why do you want to destroy your after- life?'

He replied, 'Maulvi Sahib, you know very well what the Ahl-e Sunnat pay, on the other hand, here I am paid handsomely and looked after very well in every respect. .'

Hazrat Ji-rua stated that after hearing this, he realized that the man was beyond reformation. Maulvi Ismail also confessed many times that the only reason he got defeated by Hazrat Ji-rua' was because he-rua was a Sufi.

At another time Hazrat Ji-rua came across Maulvi Ismail at Bahalwalpur railway station. After

Hayat-e Javidan

A Life Eternal (Translation)

The Pleasure of Cognition (Chapter -7)

Once, Hazrat Ji-rua was speaking of the mutual love and the relationship between the Sahabah Karam-rau. During the discourse, he happened to mention the marriage of Hazrat Umme Kulsoom-rau, the daughter of Hazrat Fatimah-rau, to Hazrat Umar-rau, when the opposing speaker interjected, 'Limit your discourse to the Quran and Hadees.'

Hazrat Ji-rua replied, 'I am speaking about the Quran and Hadees.'

The opponent asked Hazrat Ji-rua: 'Prove this marriage from the Quran.'

'Absolutely,' said Hazrat Ji-rua

'I am bringing the Quran, you will have to provide the reference.'

Hazrat Ji-rua said: 'Bring the Quran.'

When he brought the Quran Hazrat Ji-rua said, 'Look it up yourself, I will give you the Ayat.'

The opponent asked, 'Which Surah?'

Hazrat Ji-rua answered, 'Open the Quran where it mentions the marriage between Hazrat Fatimah-rau and Hazrat Ali-rau, the Ayat following it discusses the wedding of Hazrat Umar-rau to Hazrat Umme Kulsoom-rau.'

This is how Hazrat Ji-rua turned the tables on his opponent! On this occasion when the discussion was about the mutual love and relationship between the Sahabah Karam-rau, a blow dealt in this manner was a suitable reply to absurd reasoning.

Talking later about this incident Hazrat Ji-rua-rua would say: 'Had I said: Is the Quran a marriage register where marriages are recorded, the audience which comprised mostly of simple villagers would have thought that Maulana Allah Yar Khan could not provide the proof through the Quran, therefore I decided to say: 'Yes it is (mentioned) in the Quran'.

Hazrat Ji-rua used the same method on another objector called Basheer. Before the birth of Pakistan, a 'Manazara' was held at Tamman (Tala Gang) to discuss a topic that was purely doctrinal: The stance of the Shari'ah on raising hands (for every Takbeer) and folding the arms during Salah. The objector Basheer, instead of literary reasoning, propped his speech with meaningless fables and deceptive traditions. Under the barrage of Hazrat Ji-rua piercing questions, he was left speechless and the local villagers gave him a sound sending off. After this tough experience whenever he heard Hazrat Ji-rua's name he would scamper off.

After a long break he was invited to speak in Misriyal (Tehsil Fateh Jang), and the organizers came to invite Hazrat Ji-rua. Although Hazrat Ji-rua had left speaking at Manazaray by this time, but Basheer found out that Hazrat Ji-rua had been approached. Remembering his previous dire experience, he made up a crafty stratagem to come up to Tala Gung and left after making an excuse of an illness in the family.

By 1950, Maulvi Ismail Gojarvi (from Toba Tek Singh) had acquired considerable fame as a Shia debater. For a while this person had taught at Deoband. He was very sly and clever, and was skilled in repartee which often made the Ulama feel uncomfortable in facing him. However, when Hazrat Ji-rua gained prominence in the arena of Manazaray, he was usually requested to speak against Maulvi Ismail. Hazrat Ji-rua also considered it his duty to break this person's sway and take part in every Manazara in which Maulvi Ismail participated. After a few Manazaray, Maulvi Ismail received the same treatment as Basheer, and he too avoided confronting Hazrat Ji-rua, especially after the debate at Balkasar in 1955. This Manazara was held in the courtyard of

Monthly

March 2011

Al-Murshid

قد أفلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى

He indeed has attained bliss who has cleansed himself. And who remembers the names of his Rabb. And then prays.

يقول الله تعالى

أنا عند ظن عبدي بي وأنا معه إذا ذكرني فإن ذكرني في نفسه
ذكرته في نفسي وإن ذكرني في ملإ ذكرته في ملإ خير منه

Muhammad (S.A.W.W) said Allah says that He deals with a person in the same way as the person opines about Him. When he remembers Me I am with him. If he remembers Me in his heart I also remember him in my heart. If he remembers Me in a group I remember him in a better group (angles).

The noble heart of the Holy Prophet (S.A.W.W) is the fountainhead from which the cascades of feelings (kaifiyat) gush forth to the hearts of the believers.

Hazrat Sheikh ul Mukaram
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY-COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255